قرآن حکیم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد

"اگر تمہیں اس چیز کے بارے میں جو ہم نے اپنے بندے (پیغمبرؐ) پر نازل کی ہے کوئی شک وشبہ ہے تو (کم از کم) ایک سورہ اس کی مثل لے آؤ اور اللہ کو چھوڑ کر اپنے گواہوں کو بھی اس کام کی دعوت دو اگر تم سچے ہو۔ اگر یہ کام تم نے نہ کیا اور کبھی نہ کر سکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن انسانوں کے بدن اور پتھر ہیں یہ آگ کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے" (سورہ بقرہ آیت ۲۳۔۲۴ ترجمہ تفسیر نمونہ)

عظمیٰ بتول زیدی

حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان

"میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری عترت اہل بیتؑ اور یہ ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گے حتیٰ کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچیں گے" (اصول کافی ج ۲ ص ۴۱۴، احتجاج طبری ج ا ص ۵۹۵، صحیح ترمذی شرح ابن عربی ج ۱۳ ص ۱۷۔ بحار الانوار ج ۱۹، تفسیر البیان مترجم ص ۱۸، غایۃ المرام ص ۲۶۲، مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۲۴، منتخب کنز العمال ج ۵ ص ۳۰، تاریخ ابن عساکر ج ۲ ص ۱۱۹، تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۱۴۱، تاریخ الخلفاء ابن قتیبہ ج ا ص ۷۳، غایۃ المرام میں اس مضمون کے بارے بیاسی (۸۲) احادیث شیعہ طریق سے اور انتالیس احادیث اہل سنت طریق سے نقل کی گئی ہیں)

حضرت امیر المومنینؑ قرآن ناطق کی قرآن صامت کے بارے میں مدح سرائی

اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر ایسی کتاب نازل فرمائی جو نور ہے جس کی قندیلیں گل نہیں ہوتیں ایسا چراغ ہے جس کی لو خاموش نہیں ہوتی۔ یہ کتاب ایسا دریا ہے کہ جس کی گہرائی تک کسی کی رسائی نہیں اور ایسی راہ ہے جس میں راہ پیمائی بے راہ نہیں کرتی۔ ایسی کرن ہے جس کی چھوٹ مدھم نہیں پڑتی وہ (حق و باطل میں) ایسا امتیاز کرنے والی ہے جس کی دلیل کمزور نہیں پڑتی۔ ایسا کھول کر بیان کرنے والی کتاب ہے جس کے ستون منہدم نہیں کیے جا سکتے، وہ سراسر شفا ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے روحانی بیماریوں کا کھٹکا نہیں رہتا، وہ سراپا عزت وغلبہ ہے جس کے یار و مددگار شکست نہیں کھاتے وہ (سراپا) حق ہے جس کے یار و مددگار شکست نہیں کھاتے وہ (سراپا) حق ہے جس کے معین و معاون بے سہارا نہیں چھوڑے جاتے، وہ ایمان کا معدن اور مرکز ہے اسکے علم کے چشمے پھوٹتے اور دریا بہتے ہیں اس میں عدل کے چمن اور انصاف کے حوض ہیں وہ اسلام کا سنگ بنیاد اور اسکی اساس ہے حق کی وادی اور اس کا ہموار میدان ہے وہ ایسا دریا ہے کہ جس سے (اپنی مرادیں) بھرنے والے اسے ختم نہیں کر سکتے وہ ایسا چشمہ ہے کہ اس سے (علم و ادراک وفہم کا) پانی بھرنے والے اسے خشک نہیں کر سکتے (نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۶)

حضرت سیدہ زہراء سلام اللہ علیہا کا قرآن کے بارے میں خطاب

اللہ کے بندو! پھر ہمارے پاس اللہ کی کتاب بھی تو ہے اللہ کی بولتی ہوئی کتاب قرآن، سچائیوں کی زبان! اسکا نور فروزاں اور شعاعیں درخشاں ہیں جس کی بصیرتیں نمایاں ہیں جس کی آیتوں کے رازعیاں ہیں جس کے ظواہر آشکار ہیں، قرآن کے احکام پر عمل کرنے والوں کی زندگی قابل رشک ہوتی ہے، اپنی پیروی کرنے والوں کو قرآن جنت میں لے جاتا ہے کتاب خدا کا سننا بھی نجات کا ذریعہ ہے قرآن کے ذریعے روشن دلیلیں نصیب ہوتی ہیں اسکا دامن فرائض وواجبات کی شرح وتفسیر سے بھرا ہوا ہے اس میں حرام کاموں سے روکا گیا ہے اس کے استدلال بڑے واضح، نہایت روشن ہیں اسکا طرز اثبات بے حد اطمینان بخش ہے اسمیں حسن اخلاق کو اپنانے اور مستحب اعمال بجالانے کی ترغیب بھی ہے اور زندگی کے جن شعبوں میں قانونی سہولتیں عطا ہوئی ہیں انکی وضاحت سے بھی اسکے اوراق سجے ہوئے ہیں، علاوہ ازیں اللہ نے جو خاص قاعدے قوانین مقرر فرمائے ہیں وہ بھی اس میں مذکور ہیں (حضرت سیدہ "سلام اللہ علیہا" کے معروف احتجاجی خطبہ سے اقتباس ترجمہ سید ابن حسن نجفی نثار زین پوری)

اداریہ

قرآن و آلِ عباؑ دونوں مظلوم ہیں دونوں دینِ محمدؐ کا مقسوم ہیں
دونوں نوکِ سناں پہ اٹھائے گئے دونوں ٹکڑے ہوئے پھر جلائے گئے

قرآن واہل بیتؑ لازم وملزوم ہیں دونوں کے ظاہر و باطن پر اپنی ہی اسناد موجود ہیں ۔دونوں ہی حضرت رسول اللہؐ کی وصیت میں شامل ہیں اور ہر دو کے ساتھ آنحضرتؐ کی وصیت کے برعکس سلوک کیا گیا ۔قرآن واہل بیتؑ، رحلتِ پیغمبر اکرمؐ سے لے کر اب تک مظلوم رہے ہیں اور حضرت ولی العصر(عج) کے ظہور تک مظلوم رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے حوض کوثر پر ملاقات پیغمبر آکرم تک ان کے باہم اور ہم آہنگ رہنے کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے اور اس سلسلے میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی متواتر مسلسل اور متفق احادیث سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا ۔یہ دونوں جہاں ہر دور، ہر عہد اور ہر وقت ناقدری زمانہ کا شکار رہے وہاں باہمی مربوط ہی نہیں ایک دوسرے کے غمگسار رہے۔

''تنہائیاں'' ایک اپنا مزاج رکھتی ہیں ۔تمام انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے گلہ بانی کی مصروفیت عطا فرمائی تا کہ قوم کو بھی ایک ریوڑ کی طرح اکٹھا رکھیں اور ان کو گلہ بانی کے بہانے تنہائیاں عطا کیں تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بہتر ماحول میں روا کر سکیں ۔تنہائیوں کے سناٹے یا سناٹوں کی تنہائیوں کی بھی ایک الگ لذت ہوتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے مصطفیٰ بندے ہی آشنا ہوتے ہیں عام انسان کے لئے جتنا تنہا رہنا مشکل ہے ان حضرات کے لئے ان لوگوں میں رہنا اتنا ہی ناقابل برداشت ہوتا ہے مگر الٰہی فرائض کی بجا آوری کے لئے یہ عوام کو مانوس کرنے کے لئے ان کو اپنا قُرب عطا فرماتے ہیں اور ان کے ماحول میں گزر بسر فرمانا ہی ان کے لئے سب سے بڑا جہاد ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپؑ استغفار پڑھتے ہیں؟ آپؑ نے فرمایا کہ ہمارے نانا رسول اللہؐ بھی استغفار پڑھتے تھے ہم بھی پڑھتے ہیں ۔پوچھا گیا جب کہ آپؑ حضرات معصوم ہیں تو استغفار کیوں پڑھتے ہیں؟ حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں میں بیٹھنے سے ہماری روح پر جو زنگ پڑتا ہے اسے دور کرنے کے لئے ہم استغفار پڑھتے ہیں۔

علامہ علی نقی لکھنویؒ اپنی تقریر میں فرماتے ہیں کہ مجھ سے لوگ پوچھتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم معراج پہ کیسے تشریف لے گئے تو میں نے کہا کہ آنحضرتؐ کا معراج پر جانا میرے لئے قابل تعجب نہیں ہے کہ وہ کیسے تشریف لے گئے؟ میرے نزدیک ان کا ہمارے ماحول میں رہنا باعث تعجب ہے کہ وہ یہاں کیسے رہے؟

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ دنیا میں سب سے بڑا مشکل ترین امر ناپسندیدہ ماحول میں گزر بسر کرنا ہے ۔حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی زندگی کن کن مصائب سے دوچار ہوئی اور قرآن حکیم کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا؟ اس پہ دونوں خود ہی ایک دوسرے پر گواہ ہیں۔

زیر نظر اداریہ قرآن واہل بیتؑ کے بارے میں اپنے معزز قارئین کی نذر کرتا ہے ہم نے اداریے سے پہلے صفحہ پر حدیث ثقلین لکھی ہے اور یہی حدیث ہمارا عنوان ہے اس حدیث کے بارے میں کسی بھی مکتبِ فکر کو ابہام نہیں ۔حدیثِ ثقلین کو بیاسی (۸۲) احادیث شیعہ طریق سے اور انتالیس (۳۹) احادیث اہل سنت طریق سے بیان کیا گیا ہے۔

زیر نظر اداریے میں ہم اس بات پر شیعہ موقف پیش کریں گے کہ قرآن حکیم کے بارے میں محمدؐ وآل محمدؐ نے کیا فرمایا ہے؟ پھر قرآن نے محمدؐ وآل محمدؐ کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا ہے؟ نیز حدیث ثقلین پڑھنے اور سننے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت نے اس پر کیا عمل کیا ہے؟

حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد قرآن واہل بیتؑ کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا؟ ان تمام امور پر باحوالہ گفتگو ہوگی......انشاء اللہ

حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام فرماتے ہیں قرآن چار حصوں میں نازل ہوا ہے اس کا ایک چوتھائی ہماری شان میں ہے ایک چوتھائی ہمارے دشمنوں کے بارے میں ہے ایک چوتھائی سیرت اور مثالوں کے بارے میں ہے اور ایک چوتھائی واجبات اور دیگر احکام کے بارے میں ہے اور قرآن کی عزت وکرامت ہماری ذات سے مختص ہے (تفسیر البیان ص ۲۴۷)

یہ مسلم ہے کہ قرآن میں "مـا کـان" اور "مایکون" کا علم موجود ہے اور اس وسیع علم کے مالک صرف اور صرف اہل بیت علیہم السلام ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی ناقابل انکار ہے کہ قرآن کے کچھ ظاہری معانی بھی ہیں جن کو لغتِ عرب اور اس کے اسلوب کا جاننے والا ہر شخص سمجھ سکتا ہے اور قرائن ومویدات کو تلاش کرنے کے بعد ان معانی پر عمل کر سکتا ہے (تفسیر البیان)

البیان فی تفسیر القرآن ج ۱ میں آیت اللہ خوئی علیہ الرحمہ ص ۱۸ پر قرآن کی تفسیر کے بارے فرماتے ہیں "مناسب یہی ہے کہ انسان قرآن کی عظمت اور اس کی فضیلت میں لب کشائی کی جسارت نہ کرے اور اسے ان ہستیوں کے سپرد کر دے جو قرآن کے ہم پلہ اور علوم قرآن میں راسخ اور ماہر ہیں کیونکہ یہ حضرات سب سے زیادہ قرآن کی عظمت اور اس کی حقیقت سے آشنا اور آگاہ ہیں یہی ہستیاں ہیں جو قرآن کی قدر ومنزلت اور صحیح حقیقت کی طرف لوگوں کی رہنمائی فرماتی ہیں۔ یہی ہستیاں فضیلت میں قرآن کی ہمدوش اور ہم پلہ ہیں اور ہدایت ورہبری میں قرآن کی شریک اور معاون ومددگار ہیں۔ ان حضرات علیہم السلام کے جد امجد وہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جنہوں نے قرآن کو انسانیت کے سامنے پیش کیا اور اس کے احکام کی طرف دعوت دی۔ جس کے متعلق حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ثقلین ہے۔ پس اہل بیتؑ اور عترت پیغمبر ہی ہیں جو قرآن کے رہنما اور اس کی فضیلتوں سے مکمل آگاہ ہیں اس لئے ضروری ہے کہ ہم انہی کے اقوال پر اکتفاء کریں اور انہی کے ارشادات سے فیض یاب ہوں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے آیت "ولکل قوم هاد" (۱۲_۸) ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہوا کرتا ہے" کی تفسیر کے بارے میں روایت کی ہے آپؑ نے فرمایا "اس آیہ شریفہ میں ہادی سے مراد امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں اور ہادی ہم ہی میں سے ہوا کرے گا" راوی نے پوچھا میں آپؑ پر نثار جاؤں کیا آپ بھی ہادی اور اس آیہ شریفہ کے مصداق ہیں؟ آپ نے فرمایا "ہاں میں بھی اس کا مصداق ہوں۔ قرآن ہمیشہ زندہ رہے گا اسے موت نہیں آئے گی اور یہ آیہ "ولکل قوم هاد" بھی زندہ ہے اور اسے موت نہیں آسکتی۔ اگر ایک قوم پر اترنے والی آیت قوم کے مرنے سے مر جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن کو بھی موت آگئی حالانکہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ قرآن جس طرح گزشتہ اقوام پر منطبق ہوتا تھا اسی طرح آئندہ آنے والی نسلوں پر بھی منطبق ہوگا" (تفسیر البیان ج ۱ ص ۲۲)

سورہ رعد آیت ۴۳ میں ارشاد خداوندی ہے کہ "اے رسولؐ! کہ دو میرے اور تمہارے درمیان گواہی کے لئے اور جس کے پاس کتاب کا علم ہے کافی ہے" ایک شخص نے حضرت امیر المومنینؑ سے پوچھا کہ وہ کون سی بہترین فضیلت ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو عطا فرما جواب میں حضرتؑ نے یہی آیت تلاوت فرمائی حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ فرمایا کرتے تھے اے لوگو! جان لو وہ علم جس کے ذریعے آدمؑ آسمان سے زمین پر آئے اور جو علم آدمؑ سے خاتمؐ تک تمام انبیاءؑ کی برتری کا باعث بنا سب کا سب علم خاندان رسولؐ کے آئمہؑ کے پاس موجود ہیں۔

قرآن حکیم صرف وہی ہستیاں سمجھ سکتی ہیں جن سے قرآن مخاطب ہے اس سلسلے میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے بصرہ کے فقیہ قتادہ سے فرمایا کہ قتادہ کیا تو اہل بصرہ کا فقیہ ہے؟ قتادہ نے جواب دیا کہ لوگوں کا یہی خیال ہے امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا میں نے سنا ہے کہ تو قرآن کی تفسیر بیان کرتا ہے۔ قتادہ نے کہا جی ہاں...... سوال جواب ہوتے رہے حتیٰ کہ آپؑ نے فرمایا اے قتادہ! اگر تو اپنی طرف سے قرآن کی تفسیر کرے گا تو تو خود بھی ہلاک ہوگا اور دوسروں کی ہلاکت کا باعث بھی بنے گا اور اگر لوگوں سے سنی سنائی تفسیر بیان کرے گا پھر بھی خود کو اور دوسروں کو ہلاک کرے گا۔ اے قتادہ! قرآن کو وہی ہستیاں سمجھ سکتی ہیں جس سے قرآن کے ذریعے خطاب کیا گیا ہے۔

اسی نہج اور مضمون کی ایک حدیث حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی نقل ہے کہ آپؑ نے جناب ابو حنیفہ سے پوچھا کہ "کیا تو اہل عراق کا فقیہ ہے؟" جناب ابو حنیفہ نے جواب دیا جی ہاں! آپؑ نے فرمایا تو کس دلیل کی بنیاد پر لوگوں میں فتویٰ دیتا ہے؟ جناب ابو حنیفہ نے کہا کتاب خدا اور سنت نبوی کی بنیاد پر فتویٰ دیتا ہوں۔ آپؑ نے فرمایا کیا تو کتاب خدا کو کما حقہ سمجھ سکتا ہے اور ناسخ ومنسوخ سے تمیز دے سکتا ہے؟ جناب ابو حنیفہ نے کہا جی ہاں! آپؑ نے فرمایا ابو حنیفہ نے ایک بہت بڑے علم کا دعویٰ کیا ہے اتنا وسیع علم اللہ تعالیٰ

نے صرف ان ہستیوں کو دیا ہے جن پر قرآن اتارا اور یہ علم صرف ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذرّیت کے پاس ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالی نے تجھے اپنی کتاب کے ایک حرف تک کا وارث نہیں بنایا"۔

آئیں ذرا تاریخ کے دامن میں حضرت علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام کی پچیس سالہ تنہائی کے کرب کو دیکھیں ان کے شب و روز کیسے گزرے؟ زمانے نے اپنی آنکھیں یک لخت بدل ڈالیں، یہ انقلاب زمانہ ہے کہ ایک نووارد شخص مدینہ میں آ کر بارگاہ فاطمہؑ بنت محمدؐ میں حاضر ہونا چاہتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ کون فاطمہؑ؟ کیا فاطمہ اسماء بنت ابوبکر کی بچی ہے؟ وہ شخص بار بار حضرت سیدہؑ کا نام لیتا ہے مگر جواب میں لاعلمی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ آخر حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو پوچھتا ہے تو ایک شخص انتہائی ناگواری سے کہتا ہے کہ تم ابوتراب کا پوچھ رہے ہو؟ جس دروازہ پہ پیغمبرؐ نبی اکرمؐ آیہ تطہیر کی تلاوت فرماتے رہے۔ اس گھر کی شناخت ہی کھو دی گئی (تہذیب المتین طبع لکھنو) اپنی تنہائی کا ذکر حضرت امیر المومنینؑ کی زبانی ملاحظہ کریں۔

معروف خطبہ شقشقیہ میں حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں "میرا خلافت میں وہی مقام ہے جو چکی کے اندر اس کی کیلی کا ہوتا ہے میں وہ (کوہ بلند ہوں) جس پر سے سیلاب کا پانی گزر کر نیچے گر جاتا ہے اور مجھ تک پرندہ پر نہیں مار سکتا (اس کے باوجود) میں نے خلافت کے آگے پردہ لٹکا دیا اور اس سے پہلو تہی کر لی اور سوچنا شروع کیا کہ اپنے کٹے ہوئے ہاتھوں سے حملہ کروں؟ یا اس سے بھیانک تیرگی پر صبر کر لوں؟ جس میں سن رسیدہ بالکل ضعیف، اور بچہ بوڑھا ہو جاتا ہے اور مومن اس میں جدوجہد کرتا ہوا اپنے پروردگار کے پاس پہنچ جاتا ہے مجھے اس اندھیر پر صبر ہی قرین عقل نظر آیا لہٰذا میں نے صبر کیا حالانکہ آنکھوں میں (غبار اندوہ کی) خلش تھی اور حلق میں (غم و رنج کے) پھندے لگے ہوئے تھے میں اپنی میراث کو لٹتے دیکھ رہا تھا......

اس وقت مجھے لوگوں کے ہجوم نے دہشت زدہ کر دیا جو میری جانب بجو کے ایال کی طرح ہر طرف سے لگاتار بڑھ رہا تھا یہاں تک کہ عالم یہ ہوا کہ حسنؑ اور حسینؑ کچلے جا رہے تھے اور میری ردا کے دونوں کنارے پھٹ گئے تھے وہ سب میرے گرد بکریوں کے گلے کی طرح گھیرا ڈالے ہوئے تھے (نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۳)

کسی کے بھی دکھ، رنج و الم کو بیان کرنا کسی دوسرے کے بس ہی میں نہیں لفظ صرف مفہوم ادا کر سکتے ہیں کیفیت بیان نہیں کر سکتے۔ جو غم نسل در نسل بیان ہونے کے بعد بھی دل کو متاثر کئے بغیر نہ رہے تو یہ اس صدمے کی سچائی کے اثرات ہوتے ہیں۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے صدمات بیان کرنے کی نہ قلم میں سکت ہے اور نہ ہی اس کے لئے الفاظ میسر ہیں اسی لئے ہم حضرت کی قلبی کیفیت انہی کی زبان سے بیان کرتے ہیں فرماتے ہیں

"میں نے نگاہ دوڑائی تو مجھے اپنے اہل بیتؑ کے سوا نہ کوئی معاون نظر آیا اور نہ کوئی سینہ سپر اور معین دکھائی دیا تو میں نے انہیں موت کے منہ میں دینے سے بُخل کیا۔ آنکھوں میں خس و خاشاک تھا مگر میں نے چشم پوشی کی حلق میں (غم و رنج کے) پھندے تھے مگر میں لعاب، دہن نگلتا رہا اور غم و غصہ پی لینے کی وجہ سے ایسے حالات پر صبر کیا جو حنظل سے زیادہ تلخ اور دل کے لئے چھریوں کے کچوکوں سے زیادہ المناک تھے" (خطبہ ۲۱۵)

حضرت امیر المومنینؑ اپنے حق اور قریش کے مظالم کے بارے میں فرماتے ہیں "مجھ سے ایک کہنے والے نے کہا کہ اے ابن ابی طالبؑ آپؑ تو اس خلافت پر للچائے ہوئے ہیں تو میں نے کہا اللہ کی قسم! تم اس پر کہیں زیادہ حریص اور (اس منصب کی اہلیت سے) دور ہو اور میں اس کا اہل اور (پیغمبرؐ سے) نزدیک تر ہوں۔ میں نے تو اپنا حق طلب کیا ہے اور تم میرے اور میرے حق کے درمیان حائل ہو جاتے ہو اور جب اسے حاصل کرنا چاہتا ہوں تو تم میرا رخ موڑ دیتے ہو۔ چنانچہ جب بھری محفل میں، میں نے اس دلیل سے اس (کے کان کے پردوں) کو کھٹکھٹایا تو چونکتا ہوا اور اس طرح مبہوت ہو کر رہ گیا کہ اسے کوئی جواب نہ سوجھتا تھا۔

اے اللہ! میں قریش اور ان کے مددگاروں کے خلاف تجھ سے مدد چاہتا ہوں کیونکہ انہوں نے قطع رحمی کی اور میرے مرتبہ کی بلندی کو پست سمجھا اور اس (خلافت) پر کہ جو میرے لئے مخصوص تھی ٹکرانے کیلئے ایکا کر لیا ہے پھر کہتے یہ ہیں کہ حق تو یہی ہے کہ آپ اسے لیں اور یہ بھی حق ہے کہ آپ اس سے دستبردار ہو جائیں" (نہج البلاغہ خطبہ ۱۷۰)

انسان کی زندگی کا آخری کلام تو وصیت قرار پاتا ہے آئیں امیر المومنینؑ کے اس کلام کو پڑھیں جو آپؑ نے شب ضربت فرمایا "میں بیٹھا ہوا تھا کہ میری آنکھ لگ گئی اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے سامنے جلوہ فرما ہوئے میں نے کہا یا رسول اللہ! مجھے آپ کی امت کے ہاتھوں کیسی کیسی کجرویوں اور دشمنیوں سے دوچار ہونا پڑا ہے تو رسول اللہؐ نے فرمایا کہ تم ان کے لئے بددعا کرو تو میں نے (صرف اتنا) کہا کہ اے اللہ مجھے ان کے بدلے میں ان سے اچھے لوگ عطا کرے اور ان کو میرے بدلے میں کوئی بُرا (امیر)

دے۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد جب سقیفہ بنی ساعدہ کی خبریں حضرت امیر المومنینؑ تک پہنچیں تو آپؑ نے دریافت فرمایا کہ انصار کیا کہتے تھے؟ لوگوں نے کہا کہ وہ کہتے تھے کہ ایک ہم سے امیر ہو جائے اور ایک تم میں سے حضرتؑ نے فرمایا کہ تم نے یہ دلیل کیوں نہ پیش کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی کہ انصار میں جو اچھا ہو اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے اور جو برا ہو اس سے درگزر کی جائے" لوگوں نے کہا کہ اس میں ان کے خلاف کیا ثبوت ہے؟ آپؑ نے فرمایا اگر حکومت و امارت ان کے لئے ہوتی تو پھر ان کے بارے میں دوسروں کو وصیت کیوں کی جاتی پھر حضرتؑ نے پوچھا کہ قریش نے کیا کہا؟ لوگوں نے کہا کہ انہوں نے شجرہ رسولؐ سے ہونے کی وجہ سے اپنے استحقاق پر استدلال کیا ہے تو حضرتؑ نے فرمایا کہ انہوں نے شجرہ ایک ہونے سے استدلال کیا لیکن اس کے پھلوں کو ضائع و برباد کر دیا۔

شوریٰ کے موقع پر حضرت امیر المومنینؑ نے اپنے بارے میں امت کے عمل کو واضح بیان فرمایا اور آئندہ کی پیشین گوئی میں فرمایا "مجھ سے پہلے تبلیغ حق، صلہ رحم اور جود و کرم کی طرف کسی نے بھی تیزی سے قدم نہیں بڑھایا لہٰذا تم میرے قول کو سنو اور میری باتوں کو یاد رکھو کہ تم جلدی ہی دیکھو گے کہ اس دن کے بعد سے خلافت کیلئے تلواریں سونت لی جائیں گی اور عہد و پیمان توڑ کر رکھ دیئے جائیں گے یہاں تک کہ کچھ لوگ گمراہ لوگوں کے پیشوا بن کے کھڑے ہوں گے اور کچھ جاہلوں کے پیروکار ہو جائیں گے (خطبہ ۱۳۷)

سید علی ابراہیم قمی اپنی سند کے ذریعے حضرت ابوذرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ جب آیت کریمہ "یوم تبیض وجوہ و تسود وجوہ" نازل ہوئی تو حضرت پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کہ روز قیامت میری امت پانچ جھنڈے اٹھائے میرے سامنے پیش ہوگی حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں حضرت رسول کرمؐ ہر گروہ سے پوچھیں گے تم ثقلین کے ساتھ کیا سلوک کرتے رہے؟ پہلا گروہ کہے گا ہم نے ثقل اکبر (قرآن) کے معنی بدل لے اور اسے پس پشت ڈال دیا اور ثقل اصغر (عترت پیغمبرؐ) سے بغض و عداوت رکھی اور اس پر ظلم کیا۔ دوسرا گروہ کہے گا ہم نے ثقل اکبر کے مطالب بدل لے اسے پھاڑا ٹکڑے ٹکڑے کیا اور اس کی مخالفت کی اور ثقل اصغر سے دشمنی روا رکھی اور اس سے جنگ لڑی (تفسیر البیان ص ۲۲۳)

یہ کیسی دوستی ہے کہ رحلت رسول اکرمؐ سے لے کر خلافت بنی عباسیہ کے خاتمے تک اہل بیتؑ رسولؐ سے ہر قسم کی آزادی چھین لی جائے انہیں زندانوں میں قید کیا جائے؟ یہ کیسی دوستی ہے کہ خلفاء کے دور حکومت میں علیؑ گوشہ نشین ہو جائیں۔

جابر جعفی نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا "حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منیٰ میں دعا فرمائی اور پھر فرمایا کہ اے لوگو! میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جب تک تم ان سے متمسک رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے وہ دو گراں قدر چیزیں قرآن اور میری عترتؑ ہیں اور دیکھو! کعبۃ البیت الحرام ہے اس کے بعد امامؑ نے فرمایا کہ لوگوں نے کتاب خدا کے معنی بدل ڈالے، کعبہ کو گرا دیا اور عترت پیغمبرؐ کو شہید کر دیا۔ غرض انہوں نے اللہ کی تمام امانتوں کو پس پشت ڈال دیا اور ان سے دور ہو گئے" (تفسیر البیان)

خصال میں شیخ صدوقؒ نے جابر سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول اللہؐ نے فرمایا "تین چیزیں بارگاہ الٰہی میں شکایت کریں گے قرآن، مسجد اور عترت پیغمبرؐ قرآن کہے گا پالنے والے! لوگوں نے میرے مطالب و مفہوم کو بدل ڈالا اور مجھے پھاڑ ڈالا۔ مسجد کہے گی مجھے لوگوں نے بے آباد رکھا اور ضائع کر دیا اور عترت پیغمبرؐ کہے گی یا اللہ! لوگوں نے ہمیں شہید کیا اور جلا وطن کیا" ابن شہر آشوب اپنی سند سے نقل کرتے ہیں کہ روز عاشور حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا "تم اس امت کے طاغوت، گھٹیا گروہ، قرآن کو پس پشت ڈالنے والے، شیطان کی اولاد، گناہ کے پتلے اور کتاب خدا کے معنی بدلنے والے لوگ ہو" (البیان)

علماء امامیہ نے جہاں معصومین علیہم السلام کی طرف سے قرآن مجید کے معنی بدلنے کی بھی وضاحت کر دی ہے اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے اس ارشاد کو بیان کیا ہے کہ آپؑ نے فرمایا "ان لوگوں نے کتاب الٰہی کو اس طرح پس پشت ڈال دیا کہ اس کے حروف کو تو برقرار رکھا مگر اس کے معانی و مطالب کو بدل ڈالا اگر قرآن مجید کے غلط معنی اخذ نہ کئے جاتے تو عترت پیغمبر اکرمؐ کے حقوق محفوظ رہتے رسول اللہؐ کا احترام برقرار رہتا اور آل رسولؐ کے حقوق کو پامال کر کے رسول اللہؐ کو اذیت نہ دی جاتی (البیان ص ۲۲۶)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رحلت حضرت نبی اکرمؐ کے بعد وہ کون سے سیاسی، ذاتی عوامل تھے جن کی بنا پر قرآن و اہل بیتؑ کو نظر انداز کیا گیا؟ دونوں سے اس انداز کا تعصب برتا گیا جیسا ان دونوں کی امت کو ضرورت ہی نہیں۔ ہم ایک مثال نقل کرتے ہیں کہ جب عقیدہ و جمہور کے تحت قرآن جمع کیا جا رہا تو ابو عبداللہ محاسبی کا کہنا ہے کہ "خانہ رسالتمآبؐ میں کچھ اوراق پائے گئے جن پر قرآن مجید تحریر تھا کسی نے انہیں جمع کیا اور ایک دھاگے میں سب اوراق کو پرو دیا تا کہ کوئی حصہ ضائع نہ ہو جائے" (البرہان ج۱ ص ۲۳۸)

ان راویوں کا شیوہ، امانت فی النقل کے خلاف ہے کہ اس ہستی حضرت امیر المومنینؑ کا نام لینا گوارا نہیں کرتے جس نے قرآن کو ضائع ہونے سے بچایا ہے----- حالانکہ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "مجھے ہر آیت کا علم ہے کہ کس سلسلے میں اتری؟ کہاں اتری؟ اور کس کے بارے میں اتری یقیناً میرے رب نے مجھے ایک عقلمند دل اور فصیح زبان عنایت فرمائی ہے مجھ سے کتاب اللہ کے بارے میں پوچھ لو کہ کون سی آیت رات کو اتری ہے یا دن کو میدان میں نازل ہوئی ہے یا پہاڑ پر----" حضرت امیر المومنینؑ کا ہی فرمان ہے "میں وحی و رسالت کا نور دیکھتا تھا اور نبوت کی خوشبو سونگھتا تھا، جب آپؐ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو میں نے شیطان کی ایک چیخ سنی نبی اکرمؐ سے پوچھا کہ یہ آواز کیسی ہے تو آپؐ نے بتایا کہ یہ شیطان ہے جو اب اپنے پوجے جانے سے مایوس ہو گیا اے علیؑ! جو میں سنتا ہوں وہ تم بھی سنتے ہو اور جو میں دیکھتا ہوں وہ تم بھی دیکھتے ہو فرق بس اتنا ہے کہ تم نبی نہیں ہو بلکہ میرے وزیر و جانشین ہو اور یقیناً بھلائی کی راہ پر ہو"۔

زمانے نے روش بدلی، مادیت غالب آ رہی، عرب کے اندر کا بغض و حالات سے مجبور ہو کر مسلمان ہو گیا اس کے اندر بدر و احد، خیبر و خندق کے جلتے ہوئے الاؤ علیؑ کی دشمنی نے اس کا کلیجہ کباب کیا ہوا تھا وہ رسالت مآبؐ کے انتقال کا ہی منتظر تھا اور یہ خبر بھی اس تک پہنچ چکی تھی کہ علیؑ نے رسالتمآبؐ سے کچھ عہد و پیمان کر رکھے ہیں۔ کفار و مشرکین کی اولاد خاندان تطہیر سے بدلے چکانے پر تل گئی۔ قرآن جلائے گئے۔ دروازہ زہراءؑ پر اوباش ہجوم اکٹھا ہوا آگ لگائی گئی کیا کچھ نہ جلا، حضرت محسن شہید ہوئے اور ان کے ذریعے علیؑ کی نسل کشی کی گئی۔ علیؑ جیسے شجاع کے گلے میں رسی ڈالی گئی۔ کون سا ظلم تھا جو روا نہ رکھا۔ ہم انتہائی نازل ترین عنوان پر بحث کا آغاز کر رہے ہیں اور اس کے لئے الکوثر فی تفسیر القرآن ج ا ص ۱۱۸ سے نقل کر رہے ہیں "اس بات پر بے شمار دلائل موجود ہیں کہ قرآن مجید عصر رسول اکرمؐ میں ہی کتابی شکل میں مدون تھا۔ جس طرح خود رسول اکرمؐ کو لوگوں کے گزند سے بچانے کا کام اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا تھا جیسا کہ سورہ مائدہ آیت ۶۷ میں ارشاد ہوتا ہے "اور اللہ آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا" بالکل اسی طرح قرآن کو جمع اور محفوظ کرنا اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لیا اور فرمایا "اس کا جمع کرنا اور پڑھوانا یقیناً ہمارے ذمے ہے" (سورہ قیامت آیت ۱۷)

سورہ طور آیت ۱ تا ۳ میں ارشاد ہوتا ہے "قسم ہے طور کی اور لکھی ہوئی کتاب کی ایک کشادہ ورق میں----- قرآن مجید متوسط حجم کی کتاب ہے جو تئیس (۲۳) سالوں میں حضرت رسول اللہؐ پر نازل ہوئی بظاہر ایک دو کاتب اس کی کتابت کے لئے کافی تھے مگر بعض مورخین کے ہاں اس کے کاتبوں کی تعداد چالیس تک بیان کی گئی ہے۔ رسول اکرمؐ وحی کو اس اہتمام کے ساتھ بالالتزام لکھوایا کرتے تھے جو کچھ لکھا جاتا تھا اسے ہر کاتب وحی اپنے ساتھ لے جاتا تھا؟ اور کیا قرآن متعدد کاتبان وحی کے پاس منتشر اور متفرق صورت میں موجود تھا؟ اور کیا رسول اللہؐ کے پاس قرآن مدون شکل میں موجود نہ تھا؟ یہ باتیں نہایت بعید از قیاس ہیں، کاتبان وحی سے مراد یہ ہے کہ یہ لوگ رسول اللہؐ کے لئے کتابت کرتے کیا کرتے ذاتی طور پر اپنے لئے کتابت قرآن کرنے والوں کو کاتبان وحی کا منصب نہیں دیا جاتا۔ مفسرین نے حوالہ سے زائد اصحاب رسولؐ کا ذکر کیا ہے جنہوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے نہ صرف قرآن جمع کیا بلکہ انفرادی طور پر نبی اکرمؐ کے سامنے قرآن ختم کیا۔ اہل سنت مورخ نسائی نے صحیح سند کے ساتھ عبداللہ بن عمر سے روایت درج کی ہے کہ انہوں نے کہا میں نے قرآن جمع کیا اور ہر رات کو ختم کیا کرتا تھا رسول اللہؐ کو علم ہوا تو آپؐ نے فرمایا "ایک ماہ میں ختم کیا کرو" (الکوثر ج ا ص ۱۲۱ تا ۱۲۳)

درباری تاریخ کا تعصب ملاحظہ ہو کہ ابن حجر الاصابہ میں فتح مکہ کے مسلمان حاکم شام کو کاتبین وحی میں شامل کرتے ہیں اور حضرت علی علیہ السلام کا ذکر تک نہیں کرتے اور مورخ کی بددیانتی کی انتہا ملاحظہ ہو جس نے یزید، ابوسفیان اور حصین بن نمیر کو کاتبین وحی میں شامل کیا۔

قرآن کو وصیت کے طور پر حضرت پیغمبر اکرمؐ حضرت علیؑ کے سپرد کر گئے تھے اور ارشاد فرمایا تھا کہ اے علیؑ یہ کتاب خدا ہے اسے اپنے پاس لے جاؤ (بحار ج ۴۰ ص ۱۵۸)

پھر تاریخ نے یہ بھی دیکھا کہ قرآن کو نیزوں پر بلند کیا گیا اور عترت کے عظیم فرد حضرت امام حسین علیہ السلام کو بھی نوک سناں پر بلند کیا گیا قرآن کے پرزے پرزے کئے گئے اہل بیتؑ کی لاشوں کے ٹکڑے ٹکڑے کیے گئے۔

اے اللہ! اے عادل و منتقم و جبار و قہار و حکیم قرآن کے آخری حقیقی وارث کا جلد ظہور فرما تاکہ قرآن و آلؑ خوش ہو جانے سے پہلے اکٹھے ہو سکیں اور زمانے سے استعماری، طاغوتی قوتوں کا خاتمہ ہو

اجر رسالت کیا تھا اخر
کیوں تنہا قرآن کھڑا ہے ؟

روزہ کی اہمیت اور فضیلت کے بارے میں چند احادیث

حضرت آیت اللہ حاج شیخ محمد جواد فاضل لنکرانی مدظلہ العالی

انتخاب۔۔۔۔ مولانا قنبر علی استوری

ماہ رمضان کی اہمیت

حضرت رسولخداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اگر بندہ (خدا) کو معلوم ہوتا کہ رمضان کا مہینہ کیا ہے (اور یہ کن برکتوں اور رحمتوں کا مہینہ ہے) وہ چاہتا کہ پورا سال ہی روزہ رمضان ہوتا(۱)

رمضان رحمت کا مہینہ

حضرت رسولخداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "رمضان وہ مہینہ ہے جس کا آغاز رحمت، درمیانہ ایام مغفرت اور انتہا دوزخ کی آگ سے آزادی ہے"(۲)

قرآن اور ماہ مبارک رمضان

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا "جو شخص رمضان کے مہینے میں قرآن کی ایک آیت کی تلاوت کرے گویا اس نے دوسرے مہینوں میں پورے قرآن کی تلاوت کی ہے"(۳)

روزہ کی اہمیت

حضرت رسولخداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "گرمی میں روزہ رکھنا جہاد ہے"(۴)

مؤمنوں کی بہار

حضرت رسولخداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "سردیوں کا موسم مؤمن کی بہار ہے جس کی طویل راتوں سے وہ عبادت کیلئے استفادہ کرتا ہے اور اسکے چھوٹے دنوں میں روزے رکھتا ہے"(۵)

روزہ بدن کی زکوٰۃ

حضرت رسولخداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ہر چیز کیلئے زکوٰۃ ہے اور بدن کی زکاۃ روزہ ہے(۶)

روزہ آتش دوزخ کی ڈھال

حضرت رسولخداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "روزہ جہنم کی آگ کے مقابلے میں ڈھال کی حیثیت رکھتا ہے۔ یعنی روزہ رکھنے کی وجہ سے انسان آتش جہنم سے محفوظ ہوجاتا ہے"(۷)

روزے کی جزا

حضرت رسولخداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "روزہ میرے لئے ہے (اور میرا ہے) اور اس کی جزا میں ہی دیتا ہوں"(۸)

خوشا بحال صائمین

حضرت رسولخداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "خوش بخت ہیں وہ لوگ جو خدا کیلئے بھوکے اور پیاسے ہوئے ہیں یہ لوگ قیامت کے روز سیر و سیراب ہوں گے"(۹)

طعام و شراب جنت نوش کرنے والے

حضرت رسولخداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جس شخص کو روزہ اس کی مطلوبہ غذاؤں سے منع کر کے رکھے خدا کی ذمہ داری ہے کہ اسکو جنت کی غذائیں کھلائے اور انہیں جنتی شراب پلادے"(۱۰)

جنت اور روزہ داروں کا دروازہ

حضرت رسولخداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جنت کا ایک دروازہ ہے جس کا

نام ریان ہے اور اس دروازے سے صرف روزہ دار ہی داخل ہوں گے"(۱۱)

ماہ رمضان کی فضیلت

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "آسمان کے دروازے ماہ رمضان کی پہلی رات کو کھلتے ہیں اور آخری رات تک بند نہیں ہوتے"(۱۲)

روزہ اور قیامت کی یاددہانی

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا "لوگوں کو روزہ رکھنے کا امر ہوا ہے تا کہ وہ بھوک اور پیاس کے دکھ کو جان لیں اور اس طرح آخرت کی ناداری اور حاجت مندی کا ادراک کریں"(۱۳)

اعضاوجوارح کا روزہ

حضرت سیدہ زہراء سلام اللہ علیہا نے فرمایا "وہ روزہ دار جس نے اپنی زبان، کان، آنکھ اور اعضاء وجوارح کو (گناہوں سے) محفوظ نہیں رکھا ہے اس کا روزہ کس کام کا، جس کی کوئی قیمت نہیں"(۱۴)

شب قدر کا احیاء

فضیل بن یسار کہتے ہیں حضرت امام باقر علیہ السلام ماہ رمضان کی اکیسویں اور تئیسویں کی راتوں کو دعا اور عبادت میں مصروف ہوجایا کرتے تھے حتیٰ کہ صبح ہو جاتی اور جب رات گزر جاتی نماز فجر ادا فرمایا کرتے"(۱۵)

حوالہ جات

۱۔بحار ج۹۳ ص۳۴۶ ۲۔بحار ج۹۳ ص۳۴۲

۳۔بحار ج۹۳ ص۳۴۶ ۴۔بحار ج۹۶ ص۲۵۷

۵۔وسائل الشیعہ ج۷ ص۳۰۲ ح۳ ۶۔الکافی ج۴ ص۶۲ ح۳

۷۔الکافی ج۴ ص۱۹۲ ۸۔وسائل الشیعہ ج۷ ص۲۹۴ ح۱۵۔۱۶،۱۷۔۲۰

۹۔وسائل الشیعہ ج۷ ص۲۹۹ ح۲ ۱۰۔بحار ج۹۳ ص۳۳۱

۱۱۔وسائل الشیعہ ج۷ ص۲۹۵ ح۳۱۔معانی الاخبار ص۱۱۶

۱۲۔بحار ج۹۳ ص۳۴۴

۱۳۔وسائل الشیعہ ج۴ ص۴ ح۵ علل الشرائع ص۱۰

۱۴۔بحار ج۹۳ ص۲۹۵ ۱۵۔وسائل الشیعہ ج۷ ص۲۶۰ ح۴

(بقیہ۔۔۔۔۔حضرت علی علیہ السلام کی شہادت)

اور کفن دیا اور نماز پڑھی اس کے بعد حضرت کو تابوت میں رکھا تابوت کو پیچھے سے اٹھایا تابوت آگے سے خود بخود بلند ہوا حسنؑ وحسینؑ عبداللہ بن جعفر محمد حنفیہ رات کے وقت جنازہ کو نجف کی سرزمین میں لائے اچانک وہاں پر ایک چمکتا ہوا سفید پتھر دکھائی دیا اسکو نکالا تو جہاں ایک تختی نظر آئی اس پر لکھا ہوا تھا کہ یہ وہ قبر ہے کہ جس کو نوحؑ نے حضرت علیؑ کیلئے ذخیرہ کیا ہے جنازہ کو اٹھا کر قبر میں رکھا قبر کو بند کر کے کوفہ واپس لوٹے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا میرے لئے چار مقام پر چار قبریں کھودیں۔

۱۔مسجد کوفہ میں ۲۔یا کوفہ کے میدان میں ۳۔نجف میں ۴۔جعدہ بن ہبیرہ کے گھر میں تا کہ میری قبر کا کسی کو پتہ نہ چلے۔

یہ وصیت اس لئے تھی تا کہ حضرت کی قبر اُنکے دشمنوں کے شر سے اور توہین کرنے سے محفوظ رہے حضرت کو رات کی تاریکی میں چھپا کر لے جایا گیا اور چار افراد جنازہ کو اٹھا کر لے گئے وہ چار آدمی یہ تھے۔

حسنؑ حسینؑ محمد حنفیہ،عبداللہ بن جعفر۔

بعض روایات کے مطابق حضرت کی قبر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانے تک اور ایک اور قول کے مطابق ہارون الرشید کے زمانے تک مخفی رہی۔

(بقیہ۔۔۔۔۔فقہی احکام)

جواب: اگر دیوانہ شخص عاقل ہوجائے تو اس پر واجب نہیں کہ اس وقت کے روزوں کی قضاء کرے جب وہ دیوانہ تھا (توضیح المسائل مسئلہ ۱۶۹۴)

سوال: اگر رمضان کے کئی مہینوں کی قضا ہوا جب ہو تو کون سے روزوں کو پہلے ادا کرنا چاہیے؟

جواب: اگر کئی ماہ رمضان کے قضاء روزے رکھنے ہوں تو ان میں سے جسے پہلے ادا کرے صحیح ہے لیکن اگر آخری رمضان کے روزوں کی قضاء کا وقت تنگ ہو مثال کے طور پر آخری رمضان کے پانچ روزوں کو قضاء کرنا ہو اور پانچ ہی دن آئندہ رمضان میں باقی رہ گئے ہوں تو پھر پہلے آخری رمضان کے روزوں کو قضاء کرے (توضیح المسائل مسئلہ ۱۶۹۸) ☆

روزہ کے جسمِ انسانی پر مثبت اثرات

تحریر...... حسین بانو استوری

بہت سے لوگ اس خوف کے پیش نظر روزہ نہیں رکھتے کہ روزہ کے سبب یا روزہ کی حالت میں کہیں ان کی بیماری میں اضافہ، پیچیدگی یا مزید کمزوری پیدا نہ ہو جائے حالانکہ ایسا ہرگز نہیں۔ جدید میڈیکل سائنس نے یہ ثابت کیا ہے کہ روزہ دار کے جسم میں دوسرے افراد کی نسبت قوت مدافعت کئی گنا بڑھ جاتی ہے اور پھر روزہ کی حالت میں اندرونی اعضاء پر کام کا بوجھ ہلکا ہونے کے باعث انہیں آرام مل جاتا ہے اور بعد ازاں یہ اعضا تازہ دم اور بہتر کارکردگی کے حامل ہو جاتے ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے روزہ کو مومنوں کے حق میں سراسر خیر اور بھلائی قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا

"اور تمہارا روزہ رکھ لینا تمہارے لئے بہتر ہے اگر تمہیں سمجھ ہو" (البقرۃ۔۱۸۴)

اگر اس آیتِ مبارکہ کا طبی حوالے سے مطالعہ کریں تو واضح ہو جاتا ہے کہ روزہ عبادت کے ساتھ ساتھ صحت انسانی کیلئے مفید ہے۔ جس سے بہت سے طبی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔

ابتداء میں روزے کے طبی فوائد کو صرف نظام ہضم تک محدود سمجھا گیا اور کہا جاتا رہا کہ اس سے زیادہ اور کوئی طبی افادیت نہیں ہے۔ مگر جوں جوں میڈیکل سائنس نے روزہ کی طبی افادیت کے موضوع پر تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ روزہ تو ایک طبی معجزہ ہے جو اپنے اندر متعدد طبی فوائد و ثمرات کو سموئے ہوئے ہے۔ روزہ کے انہی طبی فوائد کے پیش نظر حضور نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:

"صوموا تصحوا" (اخرجہ الربیع فی المسند، ۱/۱۲۲، رقم ۲۹۱)

"روزے رکھو صحت و تندرستی پاؤ گے"۔

یعنی روزے سے جس طرح ظاہری و باطنی نقصانات زائل ہوتے ہیں اسی طرح اس سے ظاہری و باطنی مسرت بھی حاصل ہوتی ہے۔

اس حدیث مبارکہ کے مطابق روزہ کے جسم انسانی پر یقینی مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ بہت سے ایسے مریض جو عرصہ دراز سے کسی ایک بیماری کا شکار چلے آرہے ہیں اور وہ بیماری ان کے جسم میں جڑ پکڑ چکی ہے، روزہ رکھنے سے ان کے مرض میں کمی ہو جاتی ہے۔ اگر روزہ رکھنے کے ساتھ ساتھ انتہائی سادہ اور ہلکی غذائیں استعمال کی جائیں تو بیماری سے مکمل طور پر نجات ملنا بھی ممکن ہے۔

آیئے! ذیل میں ہم ان اثرات کا جائزہ لیتے ہیں جو روزہ رکھنے سے ہمارے جسم کے مختلف اعضاء پر مرتب ہوتے ہیں۔

روزہ کے دل پر اثرات

روزہ کی حالت میں صبح صادق سے غروب آفتاب تک چونکہ کچھ کھایا پیا نہیں جاتا جبکہ دوسری طرف روزمرہ کے امور میں مصروف ہونے، محنت کرنے سے توانائی بھی صرف ہو رہی ہوتی ہے۔ نتیجتاً جب توانائی استعمال ہوگی تو خون میں کمی بھی آئے گی۔ جس طرح مشینوں کے چلنے سے ایندھن بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہ اثر دل کے لئے نہایت مفید اور اسے آرام پہنچانے کا باعث ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خلیات کے درمیان مائع کی مقدار میں کمی کی وجہ سے دل کے Tissues پر دباؤ کم ہو جاتا ہے اور پٹھوں پر یہ کم دباؤ دل کیلئے نہایت اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ روزے کے دوران یہ دباؤ کم سطح پر ہوتا ہے یعنی اس صورت میں دل مکمل طور پر آرام کی حالت میں ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اسے خون کو تمام جسم میں پہنچانے،

اسے صاف کرنے اور پورے جسم سے واپس دل میں لانے کیلئے کم سے کم قوت صرف کرنی پڑتی ہے۔

آج کے دور میں ہر شخص کسی نہ کسی وجہ سے شدید دباؤ اور Tension کا شکار ہے۔اس ذہنی دباؤ کا علاج اور شفایابی کا راز روزے میں موجود ہے۔رمضان المبارک کے ایک ماہ کے مسلسل روزے بطور خاص دل کے پٹھوں پر دباؤ کو کم کر کے انسان کو بے شمار فوائد پہنچاتے ہیں۔

روزے کا سب سے اہم اثر پورے جسم میں خون کے بہاؤ کے دوران دل سے صاف خون لے کر پورے جسم میں اس خون کو پہنچانے والی شریانوں پر دیکھنے میں آتا ہے۔شریانوں کا سکڑ جانا خون کے بہاؤ میں رکاوٹ کا باعث بنتا ہے اور شریانوں کے سکڑنے اور کمزور ہونے کی اہم ترین وجوہات میں سے ایک وجہ خون میں باقی ماندہ مادے کا پوری طرح تحلیل نہ ہوسکنا ہے۔

جب ہم روزہ رکھتے ہیں تو افطار کے وقت تک خون میں موجود غذائیت کے تمام ذرات تحلیل ہو چکے ہوتے ہیں۔اس طرح خون کی شریانوں کی دیواروں پر چربی یا دیگر اجزاء کولیسٹرول (Colistrol) وغیرہ جم نہیں پاتے اور یہ شریانیں سکڑنے سے محفوظ رہتی ہیں۔

پس شریانوں کی دیوار کی سختی،ان کا سکڑنا اور کمزور ہونے کی شکل میں انتہائی شدید مرض سے بچنے کیلئے روزہ ایک انعام خداوندی ہے۔چونکہ روزے کے دوران گردے جنہیں دوران خون کا ایک حصہ سمجھا جاتا ہے،آرام کی حالت میں ہوتے ہیں لہٰذا انسانی جسم کے اس عضو کی بحالی بھی روزے کی برکت سے بحال ہوجاتی ہے۔

روزہ اور خون کی تشکیل

خون ہڈیوں کے گودے (Bone Merrow) میں تشکیل پاتا ہے۔جسم انسانی کو جب خون کی ضرورت ہوتی ہے تو ایک خودکار نظام ہڈی کے گودے کو حرکت میں لاتا ہے۔حتیٰ کہ انتہائی کمزور و نحیف لوگوں میں بھی یہ گودا بطور خاص سست حالت میں ہوتا ہے۔روزے کے دوران جب غذائی مادے کم ترین سطح پر ہوتے ہیں تو Bone Merrow حرکت میں آجاتا ہے۔اس طرح کمزور و لاغر لوگ روزہ رکھ کر با آسانی اپنے اندر زیادہ خون پیدا کر سکتے ہیں۔

روزہ اور معدہ

روزہ کی حالت میں انسانی معدہ پر بھی دل کی طرح مفید اثرات مرتب ہوتے ہیں۔روزہ کی وجہ سے معدہ سے نکلنے والی رطوبات متوازن ہوجاتی ہیں۔اگرچہ عام قسم کی بھوک سے معدہ کی تیزابیت میں اضافہ ہوجاتا ہے مگر روزہ کی حالت میں معدہ سے نکلنے والی رطوبات کے متوازن ہونے سے معدہ میں تیزابیت (Acidity) جمع نہیں ہوتی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ روزہ کے دوران معدہ کے اعصاب و رطوبات پیدا کرنے والے خلیے رمضان کے مہینے میں آرام کی حالت میں ہوتے ہیں اور ایک صحت مند معدہ افطار کے بعد زیادہ کامیابی سے ہضم کرنے کا کام سرانجام دیتا ہے۔

روزہ کے آنتوں پر اثرات

روزہ آنتوں کو آرام اور توانائی فراہم کرتا ہے۔آنتوں کی شریانوں کے غلاف کے نیچے Endothelium محفوظ رکھنے والے مدافعتی نظام کا بنیادی عنصر موجود ہوتا ہے جیسے انتڑیوں کا جال۔روزے کے دوران صحت مند رطوبت بننے اور معدہ کے پٹھوں کی حرکت سے ان کو نئی توانائی اور تازگی حاصل ہوتی ہے۔اس طرح روزہ دار ہضم کرنے والی نالیوں کی تمام بیماریوں سے محفوظ ہوجاتے ہیں۔

روزہ اور نظام اعصاب

کچھ لوگ روزہ کی حالت میں چڑچڑے،بے چین اور لاغر ہوجاتے ہیں۔اس کیفیت کا عصبی نظام (Nervous System) سے قطعی کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ایسی صورت حال ان لوگوں کے اندر طبیعت کی سختی کی وجہ سے ہوتی ہے جبکہ روزہ کے دوران (Nervous System) مکمل آرام و سکون کی حالت میں ہوتا ہے۔

روزہ کے دوران عبادات سے حاصل ہونے والے سکون و اطمینان تمام کدورتوں اور غصہ کو دور کردیتا ہے۔ہماری پریشانیاں و اضطرابی کیفیات اور اعصابی مسائل روزے کے دوران رضائے الٰہی کے حصول کیلئے کی جانے والی ریاضت و مجاہدہ کی وجہ سے ختم ہوجاتے ہیں۔نیز اس دوران جنسی خواہشات علیحدہ ہونے کی وجہ سے بھی اعصابی نظام پر منفی اثرات مرتب نہیں ہوتے۔

روزہ اور وضو کے مشترکہ اثرات سے جو مضبوط ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے، اس سے دماغ میں دوران خون (Blood Circulation) کا بے مثل توازن قائم ہوجاتا ہے جو تندرستی کی نشان دہی کرتا ہے اور ذہنی تناؤ و اضطراب کو دور کرنے میں مدد دیتا ہے۔

روزہ کے جگر پر اثرات

روزہ جگر پر حیران کن حد تک اثر انداز ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جگر تقریباً پندرہ طرح کے کام سرانجام دیتا ہے۔ ان کاموں کی ادائیگی سے بالآخر یہ تھکن کا شکار ہوجاتا ہے۔ جس طرح انسان مسلسل کئی گھنٹے کام میں معروف رہنے سے لاغر و نڈھال ہوجاتا ہے۔

پس روزہ کے ذریعے جگر کو چار یا پانچ گھنٹوں کیلئے آرام میسر آتا ہے جو کہ بغیر روزہ کے ممکن نہیں کیونکہ بہت ہی معمولی خوراک یہاں تک کہ 100 گرام کے برابر بھی خوراک معدہ میں داخل ہوجائے تو مکمل نظام ہضم اپنا کام شروع کردیتا ہے اور جگر فوری معروف عمل ہوجاتا ہے۔ طبی نقطۂ نظر سے یہ کہا جاتا ہے کہ ایک سال میں جگر کو ان معروفیات سے کم از کم ایک ماہ کیلئے سہولت و آرام ملنا ضروری ہے۔

جگر کے انتہائی مشکل کاموں میں سے ایک کام غیر ہضم شدہ خوراک اور تحلیل شدہ خوراک کے درمیان توازن برقرار رکھنا بھی ہے اور دوسرا کام خون کے ذریعے ہضم ہوجانے کے عمل کی نگرانی کرنا بھی ہے۔ روزہ کے ذریعے جگر توانائی پہنچانے والی غذا کو جمع کرنے سے بھی بڑی حد تک آزاد ہوجاتا ہے اور اپنی توانائی جسم کی قوت مدافعت کو تقویت دینے پر صرف کرسکتا ہے۔ روزے کے ذریعے ہمارے جسم میں گلے اور خوراک کی حساس نالی کو بھی آرام نصیب ہوتا ہے جو کسی اور صورت میں ممکن نہیں۔

حالت روزہ میں کمزوری کیوں؟

دن بھر روزہ گزار لینے کے بعد افطاری سے کچھ دیر قبل عموماً جسم میں ہلکی سی نقاہت (Weekness) کا احساس ہوتا ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ آیئے اسکا جائزہ لیتے ہیں۔

روزہ دار کے خون میں پوٹاشیم کی پیداوار میں اضافہ ہوجاتا ہے اور پوٹاشیم کی زیادتی، کمزوری اور سستی کا موجب بنتی ہے۔

خون میں شکر کی سطح (Blood Sugar Level) کے تناسب میں قدرے کمی کی وجہ سے تھکن اور کمزوری محسوس ہوتی ہے۔ روزہ کی حالت میں اس کمزوری کا سبب خون کے خلیات کی توڑ پھوڑ یا شکستگی نہیں بلکہ اسکا اصل سبب پوٹاشیم کی زیادتی اور خون میں شکر کی سطح کا نارمل سے کم ہوجانا ہے۔

خوراک میں مٹھاس کم ہو تو یہ مقدار کم رہتی ہے اور اگر انتہائی کم ہوجائے تو یہ صورت حال (Hypoglycaemia) کہلاتی ہے۔ جس میں ٹھنڈے پسینے آتے اور دل ڈوبنے لگتا ہے۔

کھجور سے افطار کی حکمت

کھجور سے افطاری اس نقاہت و کمزوری کو ختم کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہے کھجور میں موجود کیمیائی اجزاء خون کے اجزاء میں توازن پیدا کردیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھجور سے افطاری کا بطور خاص اہتمام کرتے حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں:

"كان النبيّ يفطر قبل ان يصلي على رطبات فان لم تكن رطبات فتميرات فان لم تكن تميرات حسا حسوات من ماء"

"حضور نبی اکرمؐ (مغرب کی) نماز سے پہلے چند تازہ کھجوروں سے روزہ افطار فرماتے، اگر تازہ کھجوریں نہ ہوتیں تو خشک کھجور سے روزہ کھولتے، اگر یہ بھی نہ ہوتیں تو پانی کے چند گھونٹ پی لیتے" (جامع الترمذی فی السنن۔ کتاب الصوم باب ما جاء ما یستحب علیہ الافطار ۷۹/۳، الرقم:۶۹۶)

کھجور سے افطاری جسمانی نقاہت کو اس طرح دور کرتی ہے کہ جب بھوک بیدار ہوتی ہے تو کھانے کی خواہش سے ہی منہ اور معدے میں مخصوص قسم کی رطوبات (Hunger Juice) ٹپکنے لگتی ہیں۔ افطاری کے وقت جونہی افطار کا آلارم ہوتا ہے یا اذان کی آواز آتی ہے، اسکے ساتھ ہی منہ میں Hunger Juice ٹپکنے شروع ہوجاتے ہیں جسے Conditioned Reflex کا نام دیا گیا ہے۔

معدہ میں زیادہ تر Hydrochloric Acid پائے جاتے ہیں۔ معدہ کا اصل کام کھائی گئی خوراک کو عارضی طور پر کچھ عرصہ کیلئے روکے رکھنا یا ذخیرہ کرنا ہے۔ ہضم کا پورا عمل چھوٹی آنت میں انجام پاتا ہے۔ معدہ خوراک کو روک کر

تھوڑی تھوڑی مقدار میں آنتوں میں بھیجتا رہتا ہے۔اس انتظار کے دوران Hydrochloric Acid نشاستہ والی غذاؤں کو Glucose میں تبدیل کرو دیتا ہے۔

کھجور سے افطاری کرنے میں فلسفہ یہ ہے کہ افطاری کیلئے اذان سننے یا آلارم کے ساتھ ہی منہ میں رطوبات (لعاب دہن) جمع ہو جاتی ہیں۔جب ہم کھجور سے افطاری کرتے ہیں تو چبانے کے دوران لعاب دہن میں موجود ایک جوہر کھجور میں موجود چند اجزاء کو Glucose میں تبدیل کرو دیتا ہے۔جس سے فوراً توانائی کی بحالی شروع ہو جاتی ہے۔

روزمرہ کی ضروریات کیلئے خون میں گلوکوز کی ایک مقررہ مقدار گردش کرتی رہتی ہے۔فاقہ یا روزہ کے دوران خون میں 80 ملی گرام سے 120 ملی گرام گلوکوز ہمہ وقت موجود رہتا ہے جبکہ کھانا کھانے کے بعد یہ مقدار 120 ملی گرام سے 180 ملی گرام خون کے 100 ملی لیٹر میں پائی جاتی ہے۔

خوراک میں مٹھاس کم ہو تو یہ مقدار کم رہتی ہے۔اگر بہت کم ہو جائے تو یہ صورت حال Hypoglycaemia کہلاتی ہے۔جس میں ٹھنڈے پسینے آتے ہیں اور دل ڈوبنے لگتا ہے۔

کھجور کی کیمیائی ماہیت

کھجور کے اندر اللہ تعالیٰ نے قدرتی طور پر انسانی جسم کی نقاہت و کمزوری کو دور کرنے کا سامان رکھا ہے۔درخت کے ساتھ پھل لگنے اور پھر اس پھل کے پکنے کے درمیانی عرصہ میں پھل میں کیمیائی تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔ان کیمیائی تبدیلیوں میں سے ایک تبدیلی یہ بھی ہے کہ جب کھجور پکنے پر آتی ہے تو اس میں خشک مادہ کی شرح بڑھ جاتی ہے اور پانی کی مقدار کم ہونے لگتی ہے اور مٹھاس کی مقدار Invert Sugar 22 فیصد سے بڑھ کر 47 فیصد ہو جاتی ہے۔

اسی افادیت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے کھجور کا تذکرہ قرآن مجید میں اٹھائیس (28) مقامات پر مختلف حوالوں سے فرمایا اور کتب حدیث میں سینکڑوں مقامات پر کھجور کی افادیت، غذائی اہمیت اور طبی منفعت واضح کی گئی۔

100 گرام کھجور کے اندر موجود غذائیت درج ذیل ہے

15.3% پانی   2.5% پروٹین   0.4% چکنائی

2.1% معدنی اجزاء   3.9% ریشے   75.8% کاربوہائیڈریٹس

317% کلوریز

کھجور میں پائے جانے والے نمکیات اور وٹامن کا تناسب کچھ اس طرح ہے

نمکیات 2.1%   کیلشیم 120 ملی گرام   آئرن 7.3 ملی گرام

فاسفورس 50 ملی گرام   وٹامن C، 3 ملی گرام   وٹامن B، 0.5%

ان اجزاء کے علاوہ کھجور میں کیلشیم، میگنیشیم، پوٹاشیم اور نشاستہ بھی پائے جاتے ہیں۔

کیمیائی تجزیات نے یہ ثابت کیا کہ کھجور حیاتین، معدنی اجزاء، پروٹینز اور مٹھاس سے بھرپور ایک مکمل غذا ہے۔جب ہم کھجور سے افطاری کرتے ہیں تو اسکی مٹھاس منہ کی لعاب دار جھلی (Mucous Membrance) میں فوری جذب ہو کر گلوکوز میں Convert ہو جاتی ہے۔جس سے جسم میں حرارت اور فوری توانائی بحال ہو جاتی ہے۔اسکے برعکس اگر کسی بھی دوسری شے مثلاً پکوڑے سموسے یا اسی نوع کی چٹخارے دار خوراک استعمال کریں تو اس سے معدے میں گرمی اور HCL بڑھ جاتا ہے۔کثرت تیزابیت کے باعث سینے کی جلن اور بار بار پیاس لگتی ہے۔جس سے خامرات ہضم (Digestive Enzymes) ہو جاتے ہیں جو معدہ کی دیواروں کو کمزور کرنے اور گیس کا سبب بنتے ہیں جبکہ کھجور سے افطاری کرنے سے نہ تو معدے میں بوجھ ہوتا ہے اور نہ ہی معدے میں Hydrochloric Acid کی زیادتی ہو کر گیس کی صورت پیدا ہوتی ہے۔

انسانی معدہ روزہ کے ذریعے جو اثرات حاصل کرتا ہے وہ بے حد فائدہ مند ہوتے ہیں۔اس کے ذریعے معدہ سے نکلنے والی رطوبت بھی متوازن ہو جاتی ہیں اور کھجور ان فائدوں کو مزید تقویت بخشتی ہے۔

پانی سے افطاری کی حکمت

احادیث مبارکہ کی روشنی میں افطاری کیلئے جن افضل چیزوں کا ذکر آیا ہے ان میں کھجور اور پانی سرفہرست ہیں۔

اللہ رب العزت نے زندگی کو زمین پر پانی سے نمو دیا۔ارشاد فرمایا:

"وجعلنا من المآء کل شئ حی افلا یؤمنون" (الانبیاء ۳۰)

"اور ہم نے (زمین پر) پیکر حیات (کی زندگی) کی نمو پانی سے کی، تو کیا وہ (قرآن کے بیان کردہ ان حقائق سے آگاہ ہو کر بھی) ایمان نہیں لاتے"۔

اس کرہ ارض پہ جتنے بھی جاندار ہیں ان کی زندگی پانی سے ہے۔جسم انسانی میں پانی کثیر مقدار میں موجود ہے مگر جسم انسانی سے اپنی اصلی ہیئت میں پانی کہیں سے بھی برآمد نہیں ہوتا بلکہ یہ کیمیاتی مرکب کی صورت میں ہوتا ہے۔جس طرح خون کا 95فیصد حصہ پانی پر مشتمل ہوتا ہے لیکن اسکے ساتھ لحمیات خون کے خلیات اور نمکیات ہوتے ہیں۔اس طرح لعاب دہن، آنسو اور معدہ کی رطوبات بھی پانی ہی ہوتے ہیں۔پسینہ اور دیگر خارج ہونے والی چیزوں کے ذریعے پانی کی کثیر مقدار جسم سے نکل جاتی ہے۔ضرورت اس بات کی رہتی ہے کہ جسم میں پانی کی آمدورفت کے درمیان ایک باقاعدہ تناسب موجود رہے۔اگر کسی بیماری، پانی کی کم فراہمی یا عدم دستیابی کے باعث جسم میں پانی کی کمی (Dihydration) ہوجائے تو خون گاڑھا اور پیشاب کا اخراج کم یا مفقود ہوجاتا ہے۔

اس طرح گردوں میں ورم کے باعث یوریا (Urea) کریٹانین (Creatanin) جیسے زہریلے اجزاء خون میں شامل ہوکر تمام جسم میں سرایت کرجاتے ہیں،جس سے بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہوجاتیں اور زندگی خطرے میں پڑجاتی ہے۔

پانی کی کمی سے خون گاڑھا ہوجاتا ہے اور دل اسے پمپ کر کے دوران خون جاری رکھنے کے قابل نہیں ہوتا اور یہ گاڑھا خون شریانوں میں بھی داخل نہیں ہوسکتا۔ نتیجتاً ہمارے جسم کا نظام دوران خون مکمل نہیں ہوسکتا۔وہ شریانیں جس کے ذریعے دل پورے جسم میں خون بھجواتا ہے،ان کا جسم میں ایک وسیع و پیچیدہ جال (Net Work) ہے۔ایک تخمینہ کے مطابق ایک انسان کے جسم میں پانچ ارب عروق شعریہ ہوتی ہیں۔اگر ان کی لمبائی جمع کی جائے تو ان کی کل طوالت تقریباً 950 کلومیٹر ہوگی کیونکہ خون کو ان بال سے باریک رگوں میں سے گزرنا ہوتا ہے۔گاڑھا ہونے کی صورت میں نظام دوران خون مکمل طور پر ناکارہ ہوجاتا ہے۔

روزوں کے دوران جسم میں عام دنوں کی نسبت پانی کی کم مقدار داخل ہونے سے خون میں گاڑھا پن آجانا فطری ہے اور بعض اوقات کمزور اشخاص کو دل کے بھی جھٹکے محسوس ہونے لگتے ہیں۔ایسی حالت میں پانی سے افطاری کرنے سے یہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی۔جب روزہ دار پانی سے افطاری کرتا ہے تو منہ کی خشکی دور ہوگی، پیاس کی شدت میں کمی محسوس ہوگی اور فوراً بعد ہی اسے Vitality محسوس ہوگی۔

روزہ کی حالت میں دن بھر پانی استعمال نہ ہونے اور پسینہ و پیشاب وغیرہ کے اخراج سے جسم میں پانی کی یہ کمی امراض گردہ یا امراض جگر پیدا کردیتی ہے اور بعض اوقات پانی کی یہ کمی موت کا سبب بھی بن جاتی ہے۔پانی سے افطاری کی وجہ سے پانی کی مذکورہ کمی دور ہوکر جسم میں نئی زندگی کی لہر پیدا ہوجاتی ہے۔احتیاط رہے کہ پانی کو گھونٹ گھونٹ کرکے پیا جائے۔ایک ہی سانس میں پانی پینے میں خرابیاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے روزہ کی شکل میں مسلمانوں کو جو نعمت عطا فرمائی ہے اصل میں یہ سال بھر کیلئے جسم انسانی کیلئے ٹیوننگ کا کام دیتی ہے۔جس طرح ہم اپنے زیر استعمال گاڑیوں، موٹر سائیکلوں کی ایک مقررہ مدت کے بعد ٹیوننگ کرواتے ہیں تاکہ گاڑی کے تمام پرزے صحیح کام کرتے رہیں۔اس طرح اللہ نے روزوں کے ذریعے بھی اس قدرتی ٹیوننگ کا اہتمام کیا ہے۔نیز اس ٹیوننگ کے دوران بھی ہمیں اعضائے جسم کیلئے جن مفید اشیاء (کھجور/پانی) کی طرف متوجہ کیا وہ بھی اپنے اندر صحت اور تندرستی کا ایک خزانہ لئے ہوئے ہے۔افطاری کیلئے جن اشیاء کو اوّلیت اور فوقیت حاصل ہے طبی لحاظ سے وہی صحت کیلئے مفید ہیں۔ ✿✿

الخیر ایوی ایشن (ٹریولز اینڈ ٹورز)

✿ عمرہ و حج و زیارات پیکیج

✿ ویزا اور ہر قسم کی دیگر ممالک کی ٹکٹ کی سہولت میسر ہے۔

✿ کاروان "سلام یا سیدہ زینب سلام اللہ علیہا" آمد محرم الحرام اور اربعین کو عراق، ایران کے مقدس مقامات کی زیارات کیلئے روانہ ہوگا۔

✿ ان دو ممالک کے مکمل ہوائی ایئر کا پیکیج ایک لاکھ پینسٹھ ہزار روپے ہے

✿ صرف عراق کیلئے ایک لاکھ تیس ہزار

تفصیلات کیلئے درج ذیل نمبروں پر رابطہ کریں۔

برائے رابطہ: زوار ذوالقرنین حیدر 0332-7272514

ارسلان حیدر 0324-9000072

خصوصی معاونت: صفدر حسین ڈوگر کربلائی

تلاوتِ قرآن اوراس کے آداب

صفدر حسین ڈوگر کربلائی

"قال رسول اللهؐ انی تارک فیکم الثقلین کتاب الله وعترتی اهل بیتی ماان تمسکتم بهما لن تضلوا بعدی ان هما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض"

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ

"میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جارہا ہوں ایک کتاب خدا اور دوسری میری عترت کہ جو میرے اہل بیت علیہم السلام ہیں جب تک ان دونوں سے تمسک رکھو گے تو ہرگز گمراہ نہیں ہوگے اور یہ دونوں جدا نہیں ہونگے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچ جاؤ گے"۔

ان وظائف میں سے جو کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایک فرد کیلئے معین کئے ہیں قرآن کی تعلیم اور اسے پڑھنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی ہدایت کیلئے انبیاءؑ مبعوث فرمائے تاکہ اشرف المخلوقات ان سے رہنمائی حاصل کرسکیں اور اسی بنا پر انہیں معجزات سے خداوند تعالیٰ نے نوازا جس سے ان کی امتوں کو یقین اور سکون حاصل ہوجائے اور ان کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے ان کی بات پر ہمہ تن گوش ہوں اور ان کے سامنے سر تسلیم خم کریں۔

حضرت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ بعثت میں عربوں کے طبائع و اذہان فصاحت و بلاغت کے دلدادہ تھے وہ اپنی زبان اور علم کی وجہ سے باقی اقوام عالم کو عجم یعنی گنگ زبان کہتے تھے ایسے ماحول میں اس سے زیادہ موثر اور کامیاب اور کوئی طریقہ نہ تھا کہ جس کے ذریعے تبلیغ کو فروغ ملتا اسی لئے یہ کتاب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بطور معجزہ عطا کی گئی۔

اس لاجواب کتاب کے الفاظ و معنی میں نظم و نسق کا وہ کمال ہے کہ باوجود چیلنج کے عرب اس کا مقابلہ کرنیکی جرأت بھی نہ کرسکے اکی مختصر ترین سورہ کوثر کو پڑھ کر "ماهذا کلام البشر" کے ذریعے اس کی عظمت کا اقرار کرنے پر مجبور ہوئے اس بے مثال کتاب میں دقیق مطالب و معارف اور اسرار و رموز کے ایسے بیش بہا خزانے سمودیے گئے ہیں یہ زندہ کتاب امم سابقہ کے حالات و واقعات کا قیمتی خزانہ ہے قرآن کریم علوم عقلیہ ونقلیہ کا لاثانی اور پائیدار خزانہ ہے احکام قرآنیہ کی بنیاد ایسے ٹھوس اور مضبوط اصولوں پر ہے کہ جن کی تنسیخ ناممکن ہے لیکن بعض کتابیں تحریف و ترمیم کا شکار ہو چکی ہیں اور صرف قرآن کریم ہی ایسی لازوال کتاب ہے جو اپنی اصلی حالت میں موجود ہے اور تا قیامت آب و تاب کیساتھ زندہ رہے گی کیونکہ اکی حفاظت کا ذمہ خداوند متعال نے خود لیا ہے۔

حضرت علیؑ اس بارے میں یوں بیان فرماتے ہیں کہ قرآن ایک ایسا ہادی ہے جو کبھی گمراہ نہیں ہونے دیتا یہ ایسا نور ہے کہ جس کی روشنی کبھی خاموش نہیں ہوتی ایسا چشمہ عرفان ہے کہ جس کو تشنگان معرفت خشک نہیں کرسکتے اسی لئے تو ہمارا یہ فرض بنتا ہے کہ ہم احکام قرآنیہ پر خلوص دل سے عمل کریں اور دوسروں کو بھی اس چیز کی تلقین کریں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بروز قیامت رسول خداؐ کی اس شکایت سے کہ قال الرسول "یارب ان قومی اتخذوا هذا القرآن مهجورا" کہ جناب رسول خداؐ کہیں گے کہ (اے میرے رب میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ دیا تھا) قرآن مجید فرقان حمید میں ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ قرآن کو ترتیل کیساتھ پڑھو یعنی آہستہ آہستہ پڑھو اور قرآن پڑھتے

وقت اپنی آوازوں کو مزید خوبصورت بناؤ قرآن مجید کو فصیح و بلیغ عربی لحن کیساتھ پڑھو کیونکہ قرآن مجید عربی زبان میں ہے ایک جگہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص رات کو قرآن مجید کی دس آیات پڑھے گا وہ غافلین میں سے شمار نہ ہوگا۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپؐ نے سلمان فارسی سے فرمایا "یا سلمان علیک بقراءۃ القرآن فان قراءته کفارة الذنوب' کہ اے سلمان تم کو چاہیے کہ قرائت قرآن کیا کرو کیونکہ قرأت قرآن گناہوں کا کفارہ ہے۔

خود قرآن مجید اس بارے میں فرماتا ہے کہ

"فاقرؤا ما تیسر من القرآن" یعنی جس قدر بھی میسر ہو قرآن کی تلاوت کیا کرو۔

اگر چہ قرآن کریم صراط مستقیم کی طرف انسان کی ہدایت کیلئے نازل ہوا ہے اور قرآن پڑھنے سے اصلی ہدف قرآن کی زبان سے آشنا ہونا اسکی آیات پر غور و فکر کرنا اور ان پر عمل کرنا ہے تا کہ انسان کی تمام ضروریات مادی و معنوی دنیاوی اور اخروی کے پورا ہونے کا موجب ہو احادیث میں ان لوگوں کو جو قرآن پڑھنا نہیں جانتے یا کسی دلیل کی بنا پر قرآن پڑھنے پر قادر نہیں ہیں قرآن پڑھنے اور سننے پر سراہا گیا ہے بایں معنی کہ قرآن کو سننا یہاں تک کہ وہ لوگ کہ جو خود قرآن پڑھ سکتے ہیں بابرکت ہے اور انسان کے معنویات میں موثر ہے۔

بہت سی احادیث اور روایات مسلمانوں کی تشویق اور ہر اعتبار سے قرآن سے انس برقرار کرنے کے سلسلے میں وارد ہوئی ہے یہاں تک کہ فقط قرآن کو دیکھنا بھی عبادت بتایا گیا ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ قرأت قرآن میں حسین ترین آواز حضرت امام زین العابدینؑ کی تھی جب لوگ ادھر سے گزرتے تھے تو حضرت کے گھر کے دروازے کے پاس رک جاتے تھے اور امام کی قرأت کو سنتے تھے جبکہ ہمارے معاشرے نے خدا کے فضل و کرم سے رسول اکرمؐ کے فرمان کے مطابق دونوں سے تمسک اختیار کیا لیکن کتاب خدا کے جو پڑھنے کا طریقہ ہے اس سے کما حقہ ادا کرنے کی کوشش کریں اور اپنے معاشرے میں جہاں جہاں ضروریات ہو بہتر سے بہتر اور خوبصورت سے خوبصورت انداز میں تلاوت کو دوام بخشیں ساتھ ہی ساتھ حفظ اور قرآن کے بارے میں معلومات کی طرف لوگوں کو متوجہ کریں۔

تلاوت قرآن کے آداب

کتاب اصول کافی اور علم حدیث کی بقیہ تین کتابوں میں چھٹے امام سے ایک روایت نقل ہے حضرت امام صادقؑ نے فرمایا

ترجمہ "میرے جد بزرگوار حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حاملین قرآن (یعنی وہ لوگ جنھوں نے قرآن پڑھا سمجھا اور اس پر عمل کیا) اہل جنت کے عرفا ہیں مجتہدین (یعنی وہ لوگ جو اس کوشش میں رہتے ہیں کہ خود کو پائیں اور اللہ کے احکام پر عمل کریں) اہل جنت کے قائد و رہبر ہیں اور انبیاء و مرسلین اہل جنت کے سردار و آقا ہیں۔

سید کا لقب وہ روشن ترین اور بہترین لقب ہے کہ ہم اس لقب کے ذریعہ اہل بیت کو خطاب کرتے ہیں مثلاً سید الانبیاء، سید الاولیاء، سیدۃ نساء العالمین، سید الشہداء

قرآن سیکھنا

اصول کافی میں قرآن کی تعلیم حاصل کرنے سے متعلق ایک مخصوص باب موجود ہے اس باب میں حضرت امام صادقؑ سے ایک روایت نقل ہے آپؑ نے فرمایا

ترجمہ "یہ سزاوار نہیں ہے کہ کوئی مومن مرجائے اور اس نے قرآن کی تعلیم حاصل نہ کی ہو یا اسکی تعلیم کی راہ میں گامزن نہ ہو ایک دوسری حدیث حفص بن غیاث امام موسیٰ کاظمؑ سے نقل کرتے ہیں امامؑ نے فرمایا

حضرت امام موسیٰ کاظمؑ نے ایک شخص سے دریافت کیا کہ حضرت امام علی زین العابدینؑ نے فرمایا

چونکہ خداوند عالم جانتا تھا کہ آخری زمانہ میں قرآن پر گہری تحقیق کرنے والے گروہ پیدا ہونگے لہٰذا اس نے سورہ توحید اور سورہ حدید کی ابتداء کی آیتوں کو واللہ علیم بذات الصدور تک نازل فرمایا۔

درحقیقت جو یہ کہتا ہے کہ میں سورہ قل ہو اللہ احد کی تلاوت کرنے کیلئے زندہ رہنا چاہتا ہوں وہ عرفان و افکار کی بلند ترین چوٹی پر پہنچا ہوا ہے۔

اسی حدیث کو جاری رکھتے ہوئے حفص کہتے ہیں امام ہفتم نے ایک لحہ کیلئے خاموشی اختیار کی اس کے بعد فرمایا

اے حفص! ہمارے چاہنے والوں اور شیعوں میں سے اگر کوئی مرجائے اور اس نے قرآن کی تعلیم حاصل نہ کی ہو تو (یہ شیعیت وولایت اس کیلئے برکت بن جائے گی کہ) اسے قبر میں (عالم برزخ میں) قرآن کی تعلیم دی جائے گی تاکہ جنت میں اسکے درجات میں اضافہ کیا جائے کیونکہ جنت کے درجات قرآن کی آیتوں کے برابر (یعنی تقریباً ۶۶۰۰ سے زیادہ) ہیں۔

"یقال لہ اقرا وارقٖ فیقرا ثم یرقیٰ" اس سے کہا جائے گا کہ جس قدر قرآن پڑھ سکتے ہو پڑھو اور ترقی وبلندی حاصل کرو پس وہ پڑھے گا اور ترقی کرے گا۔

بعض افراد صرف "جنات تجری من تحت الانھار" کی قرات وتلاوت کرتے ہیں اور ان ہی جنتوں کو حاصل کرنے میں سرگرداں ہیں لیکن بعض سے بھی بلند مرتبہ والے ہیں وہ یہ کہتے ہیں "ما عند اللہ خیر وابقیٰ" جو کچھ خدا کے پاس ہے بہتر اور باقی رہنے والا ہے اور بعض اولیا خدا میں سے جو کہتے ہیں "واللہ خیر وابقیٰ" خداوند عالم بہتر اور باقی رہنے والا ہے یہ وہ بلند وبالا مقام ہے جسے بیان کرنے سے اصطلاحیں اور الفاظ قاصر ہیں۔

بہرحال اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے آئمہ معصومین علیہم السلام کی نگاہ میں تلاوت قرآن دراصل وہی ہے جو ترقی وکمال کا پیش خیمہ ہو یہ معمولی و ظاہری طور پر کی جانے والی تلاوت تو حقیقت میں تلاوت نہیں ہے۔

کتاب توحید صدوق کے سب سے پہلے باب ثواب الموحدین میں حضرتؑ فرماتے ہیں "قیامت میں خداوند عالم کی جانب سے ایک منادی غیب سے آواز دے گا کہ جس شخص نے لاالہ الااللہ کہا وہ جنت میں جائے گا راوی نے حضرتؑ کی خدمت میں عرض کی پھر آپ ان لوگوں کو کیا جواب دیں گے جو لاالہ الااللہ کہتے ہیں اور احکام پر عمل نہیں کرتے؟ ممکن ہے کہ ہر عادل وظالم مومن وفاسق لاالہ الااللہ کہدے اس طرح تو کام بہت آسان ہے؟

حضرتؑ نے فرمایا! اس روز مومن کے علاوہ کسی کو تو حید یاد ہی نہیں رہے گی۔

جی ہاں! یہ تمام اعمال اس لئے ہیں کہ مومن کے اندر ان کا ملکہ پیدا ہوجائے تاکہ وہ انہیں کبھی فراموش نہ کرے ورنہ انسان سے قبر میں اللہ پیغمبر اور کتاب وغیرہ کے بارے میں سوال کیوں کیا جاتا ہے؟! اگر یہ طے ہو کہ الفاظ ہی کے ذریعہ جواب دیا جائے گا تو ہر شخص جانتا ہے کہ اس کا خدا کتاب پیغمبر وقبلہ کیا ہے؟ لیکن جس مسلمان نے احکام پر عمل نہیں کیا قبر میں اسے کچھ یاد نہ آئے گا کیونکہ وہاں زبان انسان کے اختیار میں نہیں ہے عمل ظاہر ہوتا ہے اور جواب دیتا ہے۔

قیامت اور فراموشی

کیا فشار قبر اور موت کے بعد انسان کو اس قابل رکھتے ہیں کہ اسے عالم برزخ میں یاد آئے کہ وہ کس دین کا پیروکار ہے اور کس آئین پر عمل کرتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ حضرتؑ فرماتے ہیں: اس روز مومن کے علاوہ دوسروں کو توحید یاد بھی نہ رہے گی۔

انسان جب اس دنیا میں بعض ظاہری بیماریوں مثلاً ٹائیفائیڈ وغیرہ کے زیر اثر اپنی بعض علمی یادداشتیں کھو بیٹھتا ہے تو عالم برزخ میں بدرجہ اولیٰ آسان سے آسان مذہبی سوالات کے جوابات دینے سے قاصر رہے گا جبکہ وہاں کبھی مشکل اور دشوار احکام سے متعلق سوال نہیں کیا جاتا بلکہ دین کی بدیہی بدیہی باتیں (جو سب پر ظاہر ہیں) پوچھی جاتی ہیں ہاں شرط یہ ہے کہ انسان خود کو اس دنیا میں ایمان وعمل صالح سے آراستہ کرے تاکہ وہاں آسانی کے ساتھ سوالات کے جوابات دے سکے۔

ایک مرتبہ ہمارے استاد بزرگوار امام خمینی رضوان اللہ تعالی نے ایک درس کے آخر میں کہا تھا ایک روایت ہے جس میں ارشاد ہوتا ہے کہ بعض افراد قیامت میں ایسے ہونگے کہ عذاب کے ایک احقاب (اب یہ احقاب ستر سال کا یا اسی سال کا یا کچھ کم یا زیادہ ہوتا ہے ہم نہیں جانتے) کے گزر جانے کے بعد جب ان سے پوچھا جائے گا کہ تمہارا پیغمبر کون ہے؟ تو جواب دیں گے کہ ہمارا پیغمبر وہ ہے جس پر قرآن نازل ہوا ہے! یعنی اس وقت کہیں ان لوگوں کو آنحضرتؐ کا نام بھی یاد نہ آئے گا۔

جی ہاں ایسا نہیں ہے کہ موت کے بعد کے حالات قبل از موت جیسے حالات ہوں وہاں زبان اور اعضاو جوارح انسان کے اختیار میں نہیں ہیں یعنی وہ ظاہری اسباب وعلل جو دنیا میں انسان کے اختیار میں تھے وہاں سلب ہوجائیں گے "وتقطعت بھم الاسباب" (آیت ۱۶۶) البتہ یہ صورت حال عالم برزخ میں اس کی برزخ کی حد تک ظاہر ہوگی اور قیامت میں پورے طور سے نمایاں ہوگی۔

یہاں یہ یاددہانی ضروری ہے کہ وہی فشار وعذاب جن میں انسان ایک مدت تک مبتلا رہتا ہے اور رفتہ رفتہ گناہوں سے پاک ہوتا جاتا ہے اسے آہستہ آہستہ وہ سوال وجواب یاد آتے جاتے ہیں جیسا کہ مذکورہ بالا روایت میں نقل ہوا کہ ایک

احقاب کے گزرنے کے بعد بھی انسان اس مرحلہ تک پہنچتا ہے کہ اسے صرف اتنایاد آتا ہے کہ پیغمبرؐ وہی جس پر قرآن نازل ہوا ہے۔

بہرحال یہ مسائل امت کے گنا ہگاروں کے لئے ہیں ورنہ خالص مومن جواب دینے میں ایک لحہ کی دیر بھی نہیں لگائے گا اس پر کوئی فشار نہیں ہے نہ موت کے وقت اور نہ عالم برزخ میں بلکہ مومن کیلئے موت سے زیادہ خوش گوار کوئی اور لذت ہے ہی نہیں کیونکہ (اسکی حالت تو یہ ہوتی ہے گویا) ایک قیدی عالم جاویدانی کی طرف پرواز کرتا ہے اور مصائب والام سے بھری ہوئی پر آشوب دنیا سے آسائش ولذت سے سرشار دنیا میں پہنچ جاتا ہے۔

حفص کہتے ہیں کہ میں نے کسی ایک شخص کو حضرت موسیٰ بن جعفرؑ کے مانند اپنے نفس پر خوف زدہ اوران سے زیادہ امیدوار نہیں دیکھا کیونکہ آپؑ جانتے تھے کہ آئندہ کیا ہوگا۔

یہاں تلاوت کے آداب ظاہر ہو رہے ہیں جب امامؑ قرآن کی تلاوت فرماتے تھے تو آپؑ کی آواز حزن واندوہ میں ڈوبی ہوئی تھی اور یوں تلاوت فرماتے تھے گویا کسی سے گفتگو فرما رہے ہیں یہ جو روایت میں آیا ہے کہ جب بھی سنو کہ "یاایھا الذین امنو" کی تلاوت کی جارہی ہے جواب میں لبیک کہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطاب اب بھی اپنی جگہ باقی ہے اور قرآن ہمیشہ انسان سے ہم کلام ہوتا ہے ورنہ لبیک کے کیا معنی ہیں؟ بنا بریں قرآن پڑھنے کا مطلب اللہ سے باتیں کرنا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ جہاں بھی قرآن اہل ایمان سے خطاب کرتا ہے وہاں انسان لبیک کہے البتہ صرف زبان سے نہیں بلکہ عمل کے ذریعہ بھی اللہ کے کلام پر لبیک کہے۔

حلول وارتحال

شیخ کلینیؒ نے کتاب کافی میں آداب تلاوت کے باب میں حضرت امام علی زین العابدینؑ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرتؑ سے دریافت کیا گیا "ای الاعمال افضل" کونسا عمل افضل وبہتر ہے؟ "قال الحال المرتحل" یعنی کوئی شخص جب قرآن کی تلاوت شروع کرے تو ایک مرحلہ سے دوسرے مرحلہ میں منتقل ہو یہاں تک کہ آخر قرآن تک پہنچ جائے راوی کہتا ہے کہ میں نے امامؑ سے پوچھا "وما الحال المرتحل" حال مرتحل کیا ہے؟ "قال فتح القرآن وختمه" فرمایا قرآن شروع کرنا اوراسے ختم کرنا گویا جاول ارتحل یا خروج جب بھی وہ اسکے پہلے مرحلہ تک پہنچتا ہے تو کوشش کرتا ہے کہ اس سے انتقال اور رحلت کرے اوراسے طے کرتا ہوا آخر تک پہنچ جائے۔

اس کے بعد حضرت امام سجادؑ نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک روایت نقل کرتے ہوئے فرمایا

جسے خداوند عالم نے قرآن عطا کیا ہو (یعنی قرآن کا علم اس کی معرفت اور قرآن کو روزی قرار دیا ہو) اوراس کے بعد بھی وہ یہ سوچ کہ خداوند عالم نے دوسروں کو جو نعمت عطا کی ہے وہ مجھے عطا کرو نعمت سے بالاتر ہے تو گویا اس شخص نے بڑے کو چھوٹا شمار کیا اور چھوٹے کو بڑا قرار دیا ہے۔

اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علوم قرآن سے برتر وبالا با فضیلت وگراں قدر کوئی بھی نعمت نہیں ہے اور اگر کوئی شخص قرآن کو اسکے مطالب کے ساتھ سیکھ لے اور اسکے بعد بھی اس عظیم نعمت کو حقیر شمار کرے یا کسی دوسری نعمت کو اس سے زیادہ بیش قیمت قرار دے اس نے درحقیقت قرآن عظیم کو حقیر شمار کیا ہے اوراس دوسری نعمت کو جو حقیر وکمتر تھی عظیم وبرتر سمجھا ہے۔

قرآن کی تلاوت

کتاب وافی میں "فراع القرآن وثواب القرائة" تلاوت قرآن اوراسکا ثواب کے عنوان سے ایک باب ہے اس باب میں امام جعفر صادقؑ سے ایک روایت نقل ہے آپؑ نے فرمایا "القرآن عهد الله الى خلقه" قرآن اللہ اور اسکے بندوں کے درمیان ایک عہد وپیمان ہے اور چونکہ یہ عہد خدا ہے لہٰذا ہر مسلمان کیلئے سزاوار ہے کہ اللہ کے اس عہد کو دیکھے اور کم از کم ہر روز اس الٰہی عہد نامہ کی تلاوت کرے۔

اسی باب میں شیخ طوسیؒ کی کتاب تہذیب سے ایک حدیث نقل ہے کہ حضرت امام علی رضاؑ نے فرمایا

انسان کیلئے بہتر ہے کہ نماز صبح کی تعقیبات کے بعد قرآن مجید کی پچاس آیتیں تلاوت کرے۔

کتاب وافی کے مولف نے تیسری حدیث کلینیؒ سے نقل کی ہے کہ حضرت امام علی زین العابدینؑ نے فرمایا

اگر چہ ملا فیض نے اپنی اس کتاب میں یہ حدیث قرآن کے باب میں نقل کی ہے لیکن یہ حدیث قرآن کے مدبر کے بارے میں زیادہ مناسب ہے حضرت فرماتے ہیں قرآن کی آیتیں الٰہی خزانے ہیں جب بھی کوئی خزانہ کھلے تو تمہارے لئے سزاوار ہے کہ اسے دیکھو اور اس پر غور کرو۔

ہر عہد اور ہر زمانہ میں قرآن کے بارے میں بے انتہا کتابیں لکھی گئی ہیں اور لکھی جا رہی ہیں لیکن قرآن ایسا بحر بیکراں ہے کہ اس پر جتنا بھی لکھا اور بیان کیا جائے اس کے تمام مطلب کا احصا نہیں کیا جا سکتا پس جب ان بیش قیمت خزانوں کا کوئی ایک خزانہ کھل جائے تو بہتر ہے کہ انسان اس میں دقت نظر کے ساتھ دیکھے اور اس پر غور و فکر کرے۔

مولف نے اس باب کی چوتھی حدیث ابن قداح سے نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقرؑ نے مجھ سے فرمایا پڑھو! میں نے عرض کیا کیا پڑھوں؟ فرمایا قرآن کے نویں سورہ سے کچھ پڑھو میں نویں سورہ کو تلاش کر رہا تھا کہ حضرتؑ نے فرمایا سورہ یونس سے پڑھو کیونکہ سورہ یونس قرآن کا نواں سورہ ہے۔

ابن قداح کہتے ہیں میں نے سورہ یونس کھولا اور ان آیات کی تلاوت کی۔

لوگ خداوند عالم کی طرف سے دی جانے والی دعوت کے سلسلہ میں دو گروہ میں بٹے ہوئے ہیں ایک گروہ اس دعوت وہدایت کو قبول کرتا ہے اور دوسرا گروہ اس سے انکار کرتا ہے عاقبت حسنہ اور انجام خیر ان مومنوں کا حصہ ہے جنہوں نے الٰہی دعوت کو قبول کیا اس کی آواز پر لبیک کہی ہے کسی طرح کی سیاہی ان کے چہروں پر عارض نہیں ہوتی اور نہ کبھی کوئی ذلت انکو نصیب ہوتی ہے۔

یہ جو اس آیت میں ارشاد ہے کہ کوئی سیاہی ان کے چہروں پر عارض نہیں ہوتی اور دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے یعنی اس روز جبکہ بعض چہرے سفید اور بعض چہرے (گناہوں کے اثر سے) سیاہ ہو جائیں گے یہ سیاہی جو گناہوں کے اثر سے چہروں پر عارض ہوتی ہے کوئی غیر فطری امر نہیں ہے کیونکہ انسانوں کے اعمال و افعال اور ان کے چہرہ کی رنگت میں ایک ربط موجود ہے کہ مثال کے طور پر جب بھی کسی چیز سے خجل وشرمندہ ہوتا ہے تو اسکے چہرہ کا رنگ سرخ ہو جاتا ہے اور جب بھی وہ ڈرتا ہے چہرہ پر زردی چھا جاتی ہے اور جب وہ گناہ کرتا ہے تو طبعی طور پر اس کا چہرہ سیاہ ہونا چاہئے لیکن خدا متعال اسکی آبرو کی حفاظت کی خاطر دنیا میں یہ رنگ اسکے چہرہ پر ظاہر نہیں کرتا یہاں تک روز قیامت آ جائے اس وقت گناہگار انسان کا چہرہ تاریک رات کی مانند سیاہ اور صاحب ایمان وبا تقویٰ انسان کا روشن اور سفید ہو کر خلائق کے سامنے ظاہر ہوگا۔

یہی لوگ اہل جنت ہیں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے ابن قداح کہتے ہیں میں نے سورہ مبارکہ یونس کی آیتیں یہاں تک کہ "للذین احسنو الحسنی ... قتر ولا ذلة" تک حضرت امام محمد باقرؑ کی خدمت میں تلاوت کیں حضرت نے فرمایا حسبک اسی قدر کافی ہے اس کے بعد فرمایا

مجھے تعجب ہے کہ جب میں قرآن پڑھتا ہوں تو بوڑھا کیوں نہیں ہو جاتا!

یہ ادب تلاوت ہے کہ پورے تاثر کے ساتھ قرآن پڑھا جائے اور یہی وجہ ہے کہ جب بھی انسان قرآن کی تلاوت کرتا ہے جبکہ اس حالت میں اسکی زبان عبادت میں مشغول ہے اسکے تمام اعضاو جوارح کو بھی عبادت میں مشغول رہنا چاہئے گویا وہ سماعت وبصارت اور مختصر یہ کہ اپنے پورے وجود کے ساتھ قرآنی آیات سے بہرہ مند ہو اور ان کی تلاوت سے فائدہ اٹھائے۔

دیکھ کر قرآن کی تلاوت

اصول کافی کی کتاب "فضل القرآن" میں مصحف کے ذریعہ قرآن کی تلاوت کا ایک باب ہے اس میں معصومین علیہم السلام سے روایتیں نقل ہوئی ہیں اور اس مطلب کو بیان کرتی ہیں کہ بہتر ہے انسان قرآن کو خود کتاب کھول کر پڑھے۔

اسحاق بن عمار کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام صادقؑ سے دریافت کیا آپ پر فدا ہو جاؤں میں قرآن کا حافظ ہوں! پس اگر میں قرآن کی تلاوت اپنے حفظ سے کروں یہ بہتر اور بافضیلت ہے یا قرآن کھولوں اور اسے دیکھ کر تلاوت کروں؟

حضرتؑ نے جواب میں فرمایا بلکہ قرآن کو دیکھ کر اس کی تلاوت کرو قرآن کھولو اور پڑھو یہ افضل ہے کیا تم نہیں جانتے کہ قرآن میں دیکھنا عبادت ہے۔

نہ صرف قرآن پڑھنا اور قرآن پہ نگاہ ڈالنا عبادت ہے بلکہ قرآن کو اپنے ہمراہ رکھنا بھی عبادت ہے یہ معجزہ نما الفاظ ہیں جن کا جواب کوئی نہیں لا سکتا اور یہ خداوند عالم کا کلام ہے ان الفاظ کو اپنے ہمراہ رکھنا عبادت وثواب ہے۔

قرآن اپنے ساتھ رکھنا

کتاب وافی کے باب اتخاذ المصحف و کتابۃ میں حماد بن عیسیٰ امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا مجھے یہ بات پسند ہے کہ گھر میں قرآن ہو خداوند عالم اس کے ذریعہ شیطانوں کو دور کرتا ہے۔

البتہ یہ بات واضح ہے کہ اپنے ہمراہ قرآن رکھنا اور اسکی حفاظت کرنا اسی صورت میں شیطانوں کو دور کرے گا جب اسکی تلاوت کی جائے۔ اس سے تعلیم حاصل کی جائے اس سے تزکیہ و تعلیم کی بات پیش کی جائے اس کے مسائل و احکام کی تحقیق کی جائے اور ان پر عمل کیا جائے اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا کہ قرآن گھر میں رکھ دیا جائے اور اس پر گرد و خاک پڑتی رہے مذکورہ پہلی صورت میں تو قرآن شفاعت کرے گا اور دوسری صورت میں خدا سے شکایت کرے گا پس قرآن کی تلاوت کرنا اور قرآن کے ظاہر سے انس رکھنا ہی برکت ہے چہ جائیکہ اس سے بڑھ کر تعلیم حاصل کرنا اور آیات کی تحقیق کرنا۔

گھر میں قرآن پڑھنا

"البیوت التی یقراء فیھا القرآن" (یعنی وہ گھر جن میں قرآن کی تلاوت کیجاتی ہے) کے باب میں شیخ کلینیؒ نے پیغمبر اسلامؐ سے ایک حدیث نقل کی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

اپنے گھروں کو قرآن کی تلاوت کے ذریعہ روشن و منور بناؤ انھیں قبرستان نہ بناؤ کیونکہ جس گھر میں قرآن کا ذکر نہ ہو وہ گویا خانداتی قبرستان ہے زندگی بسر کرنے کی جگہ نہیں ہے کیونکہ انسان اسی وقت زندہ ہے جب اسکی زندگی میں قرآن شامل ہو آنحضرتؐ مزید فرماتے ہیں۔

یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کے مانند اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ انھوں نے اپنے کلیساؤں اور عبادت خانوں میں نماز پڑھی اور مخصوص عبادت بجالائے لیکن اپنے گھروں کو محروم معطل رکھا۔

گویا عبادت صرف عبادت گاہوں میں ہو سکتی ہے پس بلاشبہ جس گھر میں قرآن کی تلاوت زیادہ ہوتی ہے اس گھر کی خیر و برکت بھی زیادہ ہو جاتی ہے اور وہ گھر اہل آسمان کے لئے یوں ضوبار ہوتا ہے جیسے آسمان کے ستارے اہل زمین کے لئے نور افشانی کرتے ہیں اسی سلسلہ کی ایک دوسری روایت ابن القداح امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں آپ نے فرمایا

وہ گھر جس میں قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے اور خدا کا ذکر کیا جاتا ہے اسکی برکت زیادہ ہوتی ہے فرشتے اس میں حاضر ہوتے ہیں اور شیاطین اس گھر سے دور جاتے ہیں وہ گھر اہل آسمان کیلئے اس طرح نور افشانی کرتا ہے جیسے ستارے اہل زمین والوں کیلئے چمکتے ہیں اور جس گھر میں قرآں کی تلاوت اور خدا کا ذکر نہیں ہوتا بلاشبہ اس کی برکت کم ہو جاتی ہے فرشتے اس گھر سے دور ہو جاتے ہیں اور وہ شیطانوں کا ڈیرا بن جاتا ہے۔

اکثر آپ دیکھتے ہیں کہ انسان کبھی کوئی کام انجام دینے کی توفیق پا جاتا ہے یا کسی عبادت کے ادا کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے یا پھر خداوند عالم اسے کسی دینی خطرہ سے محفوظ رکھتا ہے جو اسکے گناہ میں مبتلا ہونے کا سبب بنتا ہے یہ سب ان ہی قرآنی آیات کی برکت کا نتیجہ ہے جس کی اس نے گھر میں تلاوت کی ہے ایک اور روایت میں حضرت امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے

بلاشبہ وہ گھر جس میں ایک مسلمان قرآن پڑھتا ہے اہل آسمان اس گھر سے نور حاصل کرتے ہیں اور فائدہ اٹھاتے ہیں جیسے اہل زمین آسمان کے چمکدار ستارہ کو دیکھتے اور اس کے نور سے راہ تلاش کرتے ہیں۔

کتاب وافی کے باب النوادر میں جابر حضرت امام محمد باقرؑ سے نقل کرتے ہیں آپ نے فرمایا ایک قرآن دریا میں گر پڑا لوگوں نے دیکھا کہ اس ایک آیت کے علاوہ اسکی تمام آیتیں دھل گئی ہیں! آگاہ رہو کہ تمام امور کی بازگشت خدا کی طرف ہے۔ کیا لطیف تعبیر ہے یعنی جو کچھ بھی خدائی رنگ نہ رکھتا ہو اور خدا کیلئے نہ ہو وہ ضائع ہو جاتا ہے اور جو کچھ رہ جاتا ہے وہ ہر وجود سے خدا کے ارتباط کا پہلو ہے بقیہ سب کچھ محو اور زائل ہو جانے والا ہے کیا اچھی تمثیل اور کیا بہترین آیت ہے۔

خوش الحانی کے ساتھ تلاوت کرنا

قرآن کی تلاوت خوش الحانی اور اس پر غور کرنے کے بارے میں کافی میں تیرہ روایتیں نقل ہوئی ہیں ان میں سے ایک ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے سوال کیا گیا کہ "ورتل القرآن ترتیلا" کے کیا معنی ہیں؟ آپ نے فرمایا حضرت امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے

قرآن کو صحیح و درست بیان کرو یعنی حروف و الفاظ کو روشن و واضح انداز میں ادا کرو

نہ شعر کی مانند اسے تیزی اور عجلت کے ساتھ پڑھو اور نہ ریت کی مانند اسے اس قدر پراگندہ اور ایک دوسرے سے جدا نثر میں پڑھو بلکہ اس طرح پڑھو کہ تمہارے سخت دل نرم ہو جائیں اور کبھی تمہاری تمام فکر یہ نہ رہے کہ کس طرح جلد از جلد آخری سورہ تک پہنچ جاؤ۔

تلاوت کا ادب

ادب تلاوت کے سلسلہ میں امام جعفر صادقؑ سے ایک روایت نقل ہوئی ہے آپ فرماتے ہیں قرآن پڑھنے والا اگر تلاوت کے درمیان ایسی آیت پر پہنچا جس میں خداوند عالم سے کسی چیز کی طلب اور درخواست کی گئی ہے تو بے فیض ہی نہ گزر جائے بلکہ خدا سے اپنے خیر کی دعا کرے اور اگر ایسی آیت پر پہنچے جس میں ڈرانے کا خوف دلانے اور عذاب الٰہی کا تذکرہ ہو تو خدا سے پناہ طلب کرے اور آتش جہنم سے محفوظ رہنے کی دعا کرے لہٰذا تلاوت کے آداب میں (قرآنی آیات کے سلسلہ میں) غور و فکر دعا اور استغاثہ بھی شامل ہے صرف پڑھ لینا ہی کافی نہیں ہے اگرچہ صرف پڑھنا بھی اجر و ثواب سے خالی نہیں ہے۔

قرآن ختم کرنے کی مدت

تلاوت کے آداب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان کتنی مدت میں قرآن ختم کرے جو قرآن ختم کرنا ماہ رمضان میں ایسی خصوصیت رکھتا ہے کہ دوسرے مہینوں کو وہ خصوصیت حاصل نہیں ہے جابرؓ نے امام محمد باقرؑ سے نقل کیا ہے کہ آپؑ نے فرمایا ہر چیز کی ایک بہار ہے اور قرآن کی بہار ماہ رمضان ہے لہٰذا کہا گیا کہ ماہ مبارک رمضان میں انسان تین روز کے اندر قرآن ختم کر سکتا ہے لیکن ماہ رمضان کے علاوہ زیادہ غور و فکر کے ساتھ پڑھے۔

شیخ کلینیؒ نے کافی میں ختم قرآن کی مدت سے متعلق باب میں کئی روایتیں نقل کی ہیں ان میں سے ایک روایت یہ ہے کہ ایک روز ابو بصیر نے امام جعفر صادقؑ سے عرض کیا

میں ماہ رمضان المبارک میں ہر شب ایک قرآن ختم کر سکتا ہوں حضرتؑ نے فرمایا نہیں ایسا نہ کرو پوچھا دو شبوں میں؟ حضرتؑ نے فرمایا: نہیں دریافت کیا پھر کیا تین شبوں میں ختم کر سکتا ہوں؟ حضرتؑ نے ہاتھ کے اشارہ سے اظہار کیا کہ قابل قبول ہے اسکے بعد فرمایا:

اے ابو محمد! ماہ رمضان ایک عظیم حق اور بڑے احترام کا سزاوار ہے کہ کوئی مہینہ اس جیسا نہیں ہے (پس اگر ماہ رمضان المبارک میں تمہیں اتنی تیزی کے ساتھ قرآن پڑھنے کی چھوٹ ہو تو دوسرے مہینوں میں ایسا نہیں ہے) حضرت پیغمبر اسلامؐ کے اصحاب کرام میں سے ہر ایک قرآن کو ایک ماہ میں اس سے کم عرصہ میں ختم کرتا تھا بلاشبہ قرآن جلدی جلدی نہیں پڑھا جاتا بلکہ ایک ایک لفظ کو ڈھنگ سے اور غور کر کے پڑھا جاتا ہے پس اگر تم کسی ایسی آیت پر پہنچو جس میں جنت کا ذکر ہو تو وہاں ٹھہرو اور خداوند عالم سے جنت کیلئے دعا کرو اور اگر ایسی آیت پر پہنچو جس میں جہنم کا نام ہو تو وہاں رکو اور خداوند عالم سے آتش جہنم کی پناہ مانگو۔

اس بنا پر تیزی اور جلد بازی کیساتھ قرآن پڑھنا درست نہیں ہے لہٰذا معمولاً رمضان المبارک کے علاوہ قرآن کو ایک ماہ یا اس سے بھی زیادہ عرصہ میں ختم کرتے ہیں تاکہ پڑھنے کے ساتھ ساتھ انسان اس پر غور و فکر بھی کرتا رہے۔

☆

(بقیہ۔۔۔۔۔حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام)

اور صلح نامہ کی پانچویں شق کی خلاف ورزی کرتے ہوئے امیر شام نے مختلف حیلوں سے حضرت امام حسن علیہ السلام کے قتل کی منصوبہ بندی شروع کر دی اور متعدد بار آپؑ کو مختلف طریقوں سے زہر دلوایا امام حسنؑ نے متعدد بار اپنے اہل بیت سے فرمایا

کہ میں زہر سے شہید کیا جاؤں گا جب پوچھا گیا کہ یہ کام کون کرے گا تو فرمایا میری زوجہ جعدہ بنت اشعث کہا گیا اسے گھر سے نکال دیجئے تو فرمایا ہم آل محمدؐ ہیں بلا خطا کیسے ایسا کر سکتے ہیں؟ ابھی تک اس نے جرم نہیں کیا تو پھر سزا کیسی؟ بالآخر امیر شام کی مکروہ کوششیں بار آور ہوئیں اور اسی کے بھیجے گئے سخت ترین زہر سے جعدہ بنت اشعث کے ہاتھوں درجہ شہادت پر فائز ہوئے تاریخ گواہ ہے کہ امیر شام نے شرائط صلح کی واضح خلاف ورزی کرتے ہوئے جعدہ کو اس کام پر آمادہ کرنے کیلئے ایک لاکھ درہم اور اپنے بیٹے سے شادی کا لالچ دے کر اپنے مذموم عزائم کو پایہ تکمیل تک پہنچایا اور پھر اپنے بیٹے یزید کو اپنے بعد خلیفہ نامزد کیا اور یوں بوقت صلح امام حسنؑ کی شرائط صلح پر عمل نہ کرنے کی پیش گوئی صحیح اور سچ ثابت ہوئی۔ ✿✿۔۔۔✿۔۔۔✿✿

روزے کا فلسفہ

انتخاب...... مولانا عارف حسین موحدی (جامعہ امام خمینیؒ)

خداوند عالم اپنی پاک کتاب قرآن مجید فرقان حمید میں فرماتا ہے "اے وہ لوگو! جو ایمان لے آئے ہو تو تم پر فرض کیا گیا ہے روزے کو اور تم پر ایسے فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تا کہ تم تقویٰ اختیار کرو"۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ رمضان کے روزے اس سے پہلے کسی امت پر فرض نہیں کئے گئے ہیں راوی کہتا ہے میں نے سورہ بقرہ کی یہ آیت پڑھی کہ اس کا مطلب کیا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے پہلے روزے صرف نبیوں پر فرض کئے تھے امتیوں پر نہیں اسی طرح اور روایت میں بھی ہے کہ اللہ نے امت مسلمہ باقی امتوں پر یہ فضیلت عطا کی ہے کہ ان پر ماہ رمضان کے روزوں کو فرض کیا ہے۔

خداوند تعالیٰ فرماتا ہے روزہ میرے لئے ہے میرے ساتھ مخصوص ہے اور میں ہی اسکا بدلہ دونگا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ فرزند آدم کا ہر عمل خود اسکا اپنے لئے ہے روزہ کے علاوہ کیونکہ روزہ مجھ سے مخصوص ہے اور میں اسکا بدلہ دونگا۔

اس کا فلسفہ یہ ہے کہ روزے کے ذریعے مال دار فقیر برابر ہو جائیں وہ اس طرح کے مالدار کیلئے کوئی ایسا موقع نہیں آتا کہ وہ بھوک محسوس کرے وہ روزہ ہی ہے جس سے وہ بھوک محسوس کرتا ہے تا کہ وہ محتاج پر رحم کر سکے فقیر پر رحم کر سکے۔

پس اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ اپنے بندوں میں مساوات قائم کرے اور مال دار کو بھی بھوک محسوس ہو اور وہ کمزور پر نرمی کرے اور بھوکے پر رحم کرے۔

جب امام علیہ السلام سے روزہ کے متعلق پوچھا گیا تو آپؑ نے فرمایا کہ وہ اس لئے کہ وہ بھوک کو محسوس کریں بھوک گرمی پیاس کو پائیں تا کہ آخرت کی گرمی اور سختی پر دلیل قائم کر سکیں اور یہ کہ روزہ دار خشوع کرنے والے ہوں مسکین ہو بیچارہ ہوں ثواب اسے ملے صبر کرنے والا ہو آگاہ ہو جو بھوک اور پیاس اسے ملی ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ اسے ثواب دے اور اسکے ساتھ ہی روزے میں شہوتیں خواہشات ٹوٹتی ہیں بندہ کنٹرول کرتا ہے روزہ نصیحت کرتا ہے قوت یاد دلاتا ہے مشق کرواتا ہے روزہ واجبات کو ادا کروانے کی دلیل بنتا ہے آخرت کی اور یہ کہ روزہ دار جان لیں کہ فقیر او محتاج لوگ دنیا میں کس طرح پریشانی میں وقت گزارتے ہیں کیونکہ اس احساس کے بعد اللہ تعالیٰ انکے احوال میں جو کچھ واجب کیا ہے ادا کریں۔

۱۔ روزہ اضافی گوشت کو ختم کرتا ہے۔

۲۔ جہنم کی گرمی سے بچاتا ہے۔

۳۔ روزہ ڈھال ہے تم پر واجب ہے کہ تم روزہ رکھو آتش جہنم سے ڈھال ہے اگر تم سے ہو سکے کہ تمہیں اس حالت میں موت آئے جبکہ تمہارا پیٹ خالی ہو۔

روزہ جسموں کی زکوۃ ہے

روزہ جسموں کی زکوۃ ہے یعنی کہ بدنوں کی زکوۃ ہے ہر چیز کی زکوۃ ہے مگر جسموں کی زکوۃ روزہ ہے۔

حدیث قدسی میں ہے روزہ رکھو صحت مند ہو۔

حدیث قدسی ہے روزہ دار اللہ کی عبادت میں ہوتا ہے اگر چہ وہ اپنے بستر پر ہو جب تک وہ غیبت نہ کرے محمدؐ عربی فرماتے ہیں تحقیق ایک جنت کا دروازہ ہے جسے غسیان کہا جاتا ہے اس دروازہ سے داخل نہیں ہونگے مگر روزہ دار آخری روزہ جب گزر جائے گا تو وہ دروازہ بند کر دیا جائے گا کوئی بھی روزہ دار جب ایسے گروہ کے پاس پہنچیں گے جو کھا رہے ہوں تو اس کے اجزاء تسبیح کریں گے اور ملائکہ اس پر صلوات بھیجیں گے اور ملائکہ کی صلوات روزہ دار کیلئے استغفار ہے۔

جس شخص کے روزہ نے اسے ایسے کھانے سے روک رکھا ہے جو اسے پسند ہے اللہ تعالیٰ پر لازم ہے کہ وہ اسے کھانا دے جنت کی شراب اسے دیتے ہیں روزہ دار کیلئے دو خوشیاں ہیں ایک افطاری کے وقت اور دوسری خوشی کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرے گا جو شخص روزہ دار کا روزہ افطار کروائے گا تو اسکا ثواب روزہ دار کے برابر ہوگا۔

کچھ روزہ دار ایسے ہیں جنہیں بھوک کے علاوہ کچھ نہیں ملے گا کچھ ایسے لوگ ہونگے جو ساری رات نمازیں پڑھتے تھے مگر انکو کوئی فائدہ نہیں ہوگا سوائے بیداری کے کتنے روزے دار ایسے ہیں جنہیں سوائے پیاس کے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا کتنا اچھا ہے ان کا افطار جو ہر چیز حساب میں رکھتے ہیں کھانے کا سونے کا۔

مستحبی روزہ

جو شخص مستحبی روزہ رکھتا ہے ایک دن اگر اسے زمین بھری ہوئی سونے کی مل جائے تو وہ اسکے اجر کے برابر نہیں ہے جو اسے روز قیامت ملے گی جو شخص مستحبی روزہ رکھتا ہے خدا اسے اس کے بدلے میں جنت عطا کرے گا۔

قلب کا روزہ

دل کا روزہ یہ ہے کہ بندہ گناہوں کے بارے میں بالکل نہ سوچے دل کو بچا کے رکھے بہتر ہے زبان کے روزے سے اور زبان کا روزہ بہتر ہے پیٹ کے روزے سے دنیاوی لذتوں سے بچا کے رکھنا سب سے مفید روزہ ہے۔

جسم کا روزہ

ارادہ اور اختیار سے کھانے پینے والی چیزوں کو چھوڑ دینا ہے عذاب سے ڈرتے ہوئے اور ثواب چاہتے ہوئے اور نفس کا روزہ حواس خمسہ کو تمام گناہوں سے بچاتا ہے اور دل کو برائی اور شر کے اسباب سے خالی کرتا ہے روزہ درحقیقت حرام کاموں سے بچاتا ہے جس طرح انسان اپنے آپ کو کھانے پینے کی چیزوں سے بچا کے رکھتا ہے اور روزہ دار اپنے آپ سے کیا لے گا اگر اس کی زبان کان اسکی آنکھ اسکے تمام اجزا محفوظ نہ ہوں۔

حدیث قدسی

رسول خداؐ نے جابر ابن عبداللہ سے فرمایا اے جابرؓ یہ رمضان کا مہینہ ہے جس نے اس کے دن کے روزے رکھے اور رات کو عبادت میں گزارا اور اپنے پیٹ اور شرمگاہ کو حرام سے بچایا اور اپنی زبان کو روک کے رکھا اور وہ اپنے گناہوں سے اس طرح نکل آئے گا جس طرح وہ اس مہینے میں باہر آتا ہے تو جابرؓ نے کہا یا رسول اللہؐ یہ حدیث کتنی اچھی ہے مگر سرکار نے فرمایا جابر مگر اس کی شرائط کتنی سخت ہیں۔

گرمی کا روزہ

بہترین جہاد گرمی کا روزہ رکھنا ہے۔ سرکار فرماتے ہیں جس کسی نے اللہ کی خوشنودی کیلئے سخت گرمی میں روزہ رکھا اور اسے سخت پیاس لگی اور اللہ تعالیٰ اسکے لئے ایک ہزار فرشتے لگا دیتا ہے جو اسکے چہرے کو مس کرتے ہیں اور اسے خوشخبری سناتے رہتے ہیں جہاں تک وہ افطار کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کتنی اچھی تیری خوشبو ہے اور کہتا ہے اے فرشتو گواہ رہنا میں نے اسکے سارے گناہ معاف کر دیئے ہیں۔

رمضان کا مہینہ واقعاً ہمارے لئے ڈھیروں برکتیں رحمتیں لے کر آتا ہے رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس کے دن باقی دنوں سے بہتر جس کی گھڑیاں باقی گھڑیوں سے بہتر ہیں جس میں سانس لینا تسبیح کے برابر ہے اور سونا عبادت ہے اس مہینے میں سارے اعمال قبول کئے جاتے ہیں دعائیں قبول ہوتی ہیں اس مہینہ میں نیک نیتی سے گناہوں سے پاک و پاکیزہ ہو کر خداوند عالم سے دعا کریں کہ خدا ہمیں روزے رکھنے اور عبادت کرنے کی توفیق عطا کرے۔

جو شخص اس بابرکت مہینے میں روزے رکھنے سے محروم رہے گا وہ بدبخت ہوگا اس مہینے کی بھوک پیاس سے ہمیں قیامت کی بھوک پیاس یاد کرنی چاہیے اسلئے مسکین کو صدقہ دیں بڑوں کا احترام کریں رشتہ داروں سے اچھا سلوک کریں رمضان کا مہینہ تمام مہینوں سے شرافت دار ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں رحمت کے دروازے کھلے ہوتے ہیں روزہ کا افطار کروانا بہت ثواب رکھتا ہے یہ نہ ہو کہ رمضان کا مہینہ گزر جائے اور ہماری گردنیں وہی کی وہی گناہوں سے بھاری ہوں جو شخص اس سال نہیں بخشا جائے گا وہ آئندہ سال تک نہیں بخشا جائے گا۔

اللہ کریم سے دعا ہے کہ وہ ہمیں روزے کا فلسفہ سمجھتے ہوئے اور اسکے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے یہ مقدس مہینہ گزارنے کی توفیقات صالح عطا فرمائے (آمین)

روزہ کے طبی فوائد

انتخاب۔۔۔۔۔ مولانا موسیٰ رضا (انچارج شعبہ تبلیغات جامعہ امام خمینیؒ)

زیادہ کھانے اور بار بار کھانے سے انسان متعدد بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے جن کا علاج روزہ ہے۔ماہرین طب اس امر پر متفق ہیں کہ فاقہ بہت سی جسمانی عوارض کا علاج ہے۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر شے کی زکوۃ ہے روزہ بدن کی زکوۃ ہے نیز روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ روزہ رکھا کرو تندرست رہو گے طبی ماہرین بھی اس بات کی تصدیق کر چکے ہیں کہ روزہ بے شمار بیماریوں کا علاج ہے جدید تحقیقات سے ثابت ہوا کہ انسان کی کافی حد تک بیماریوں کا توڑ روزہ ہے اسی طرح سے بعض حضرات یہ نہیں سمجھتے اور وہ کہتے ہیں کہ روزہ رکھنے سے کمزوری ہو جاتی ہے کمی ہو جاتی ہے لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ روزہ رکھنے سے بہت سارے فوائد ہوتے ہیں روزہ ہر مسلمان پر جبکہ فرض قرار دیا گیا ہے روزے سے خدا سے قریب ہونے کا راستہ ملتا ہے اور خدا بھی خوش ہوتا ہے اس انسان کو روحانیت بھی ملتی ہے اور اسکے رکھنے کے طبی فوائد مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔روزہ رکھنے سے سرطان کے مریضوں کو افاقہ محسوس ہوتا ہے چنانچہ سرطان کے معالج سرطان زدہ مریضوں کی ابتدائی حالات میں روزہ رکھنے کا مشورہ دیتے ہیں

۲۔اسی طرح جب کسی حصہ جسم میں خرابی کے باعث خلیات تباہ ہونا شروع ہو جائیں تو ان کی تعمیر نو نیز خراب اور زہریلے مواد کے اخراج کیلئے روزہ رکھنا بہت نافع ہے۔

۳۔روزہ جسم کی تعمیر میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

۴۔نزلہ،زکام اور سر درد کے مریضوں کو اگر فاقہ کروایا جائے تو فاسد رطوبت کے اخراج سے مرض زائل ہو جاتا ہے۔

۵۔رمضان المبارک میں مسلسل تیس یوم روزہ رکھنے سے نزلہ زکام اور سر درد کے مریضوں کو بہت نفع حاصل ہوتا ہے

۶۔جسم کی قوت مدبرہ بدن فعل ہضم سے آزاد ہو کر دفعیہ مرض کیلئے بہترین کردار ادا کرتی ہے اسکے علاوہ وہ تمام امراض جن میں جسم سے غیر طبعی رطوبت بہتی رہتی ہیں ان میں رمضان المبارک کے روزے رکھنے سے بہت زیادہ افاقہ ہوتا ہے۔

۷۔روزہ رکھنے سے انسانی ذہن میں جنسی خیالات ختم کر کے پاکبازی شرافت اور پاکدامنی پیدا ہو جاتی ہے۔

۸۔جو افراد جنسی تحریک کے ہاتھوں مجبور ہوں انکو اس ماہ رمضان المبارک میں روزے پابندی سے رکھنے چاہیے تا کہ ان کی جسمانی صحت برقرار رہے۔

۹۔اس بابرکت مہینے سے انسانیت کو روحانی،جسمانی،نفسیاتی،اخروی الغرض بے پناہ فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

۱۰۔پراٹھے،سموسے،پکوڑے اور دہی بھلے کی نوعیت کی تمام اشیاء ہرگز استعمال نہیں کرنی چاہیے اور اسکے علاوہ معدہ کے اوپر بھی غلط اثر پڑتا ہے۔

۱۱۔روزہ کی حالت میں انسان مسلسل ضبط نفس کا مظاہرہ کرتا ہے۔

۱۲۔حضرت نبی اکرمؐ نے غیر شادی شدہ نوجوانوں کو فرمایا روزہ شہوت کو توڑنے اور کم کرنے کیلئے بہترین علاج ہے۔

۱۳۔روزہ نظم و ضبط اور صبر و تحمل کیلئے اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔

۱۴۔بھوک پیاس اور مشکلات کا مقابلہ کرنے کیلئے روزہ عزم و حوصلہ پیدا کرتا ہے اگر ساتھ علاج بھی جاری رکھا جائے تو ازالہ مرض کیلئے حالات سازگار ہو جاتے ہیں فقر الدم (خون کی کمی) کے مرض بھی اکثر رمضان المبارک کے فوائد سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔

(باقی ص نمبر 42 کالم نمبر 2 پر) ☆

محسنہ اسلام حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا

صفدر حسین ڈوگر کربلائی

تاریخ کے اوراق سے پوچھے گا مورخ

کیا شام غریباں تیرا خیمہ ہی جلا ہے؟

تاریخ عبدیت میں مقام وحدت کے حضور سجدہ ریز ہستیوں کے تذکرے سے احتراماً پلکیں جھک جاتی ہیں اور یہی شخصیتیں معیار توحید پہ منتخب قرار پائی ہیں۔ انہی مصطفیٰ بندوں کا یہ خاصہ رہا ہے کہ انہوں نے اپنی ذات کے ہر لحظے پر توحید کو مکمل طور پر ترجیح دے کر اس کی مخلوق سے اسے منوایا پھر اپنے کردار و عمل سے وحدت کی شناخت اس انداز میں کرائی کہ اس جذبے کو قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ تشکر کے ساتھ خراج دیتا نظر آتا ہے اور یہ منزل مقدر کے دھنی افراد کو ہی ملتی ہے معیار توحید پہ پورے اترنے والی انہی ہستیوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت کے ظرف قرار دیا، انہی بندوں کو خداوند تعالیٰ نے اپنی معرفت کے پیمانے قرار دے کر لوگوں کو ان کی اطاعت کا حکم دیا، یہی اجر رسالت قرار پائے۔

تفسیر برہان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ بروایت ابو سعید خدری احادیث معراج میں حضرت رسول اکرمؐ فرماتے ہیں کہ میں نے معراج سے واپس آتے ہوئے جبرئیلؑ سے پوچھا کہ تیری کوئی خواہش ہو تو بتاؤ ویں جبرئیلؑ نے کہا کہ میری حاجت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اور میری طرف سے "خدیجہؑ" کو سلام کہنا چنانچہ حضرت رسول اللہؐ نے حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا کو سلام پہنچایا تو حضرت خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا نے جواب میں فرمایا "ان اللّٰہ السلام ومنہ السلام والیہ السلام وعلیٰ جبرئیلؑ السلام" (تفسیر انوار النجف ج ۸ ص ۱۵۹۔ صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۸۴)

اب مادر سیدہ زہرا سلام اللہ علیہا کی اللہ تعالیٰ و سیدہ الملائکہ کے ہاں قدر و منزلت ملاحظہ فرمائیں۔

✿ حضرت رسول اللہؐ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات سے چار خواتین کو منتخب فرمایا (۱) مریمؑ بنت عمرانؑ (۲) آسیہ بنت مزاحم (۳) خدیجہؑ بنت خویلد (۴) سیدہ فاطمہؑ بنت محمدؐ" (انوار النجف ج ۳ ص ۲۲۰۔ صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۸۴)

✿ حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ کے بارے میں یہ آپ کی سب سے بڑی فضیلت ہے کہ ان کی موجودگی میں کوئی دوسری خاتون حضرت نبی اکرمؐ کے عقد میں نہیں آئی۔

✿ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جب حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ کا وقت انتقال قریب آیا تو حضرت نبی کریمؐ نے فرمایا کہ آپ کا بچھڑ جانا میرے لئے ناراحتی کا باعث ہے لیکن اس قسم کے صدمات اور تلخیوں میں خیر کثیر کا راز مضمر کیا گیا۔

✿ تفسیر انوار النجف ج ۷ ص ۱۷۱ پر نقل ہے کہ حضرت رسول اللہؐ کی تبلیغ اسلام میں حضرت ابو طالبؑ کے رعب و اقتدار و دبدبے کا جہاں دخل تھا وہاں مالی کمزوری کا شکوہ کرنے والوں کیلئے حضرت خدیجہؑ کا دستر خوان بچھا تھا اور وہی لوگ جو ایمان و اسلام کے حلقہ بگوش ہونے میں حضرت ابو طالبؑ حضرت خدیجہؑ کے ممنون احسان تھے ان پر دو محسن شخصیتوں کے وصال کے بعد ہجرت مکہ پر مجبور کر دیئے گئے اور تمام تاریخیں شاہد ہیں کہ حضرت ابو طالبؑ کی رحلت کے بعد خداوند کریم کی طرف سے ہجرت کا حکم ہوا کیونکہ اب مکہ میں کوئی سہارا باقی نہ رہا تھا یعنی حضرت ابو طالبؑ اور حضرت خدیجہؑ کی نصرت و تائید کے ختم ہو جانے کے حضرت رسول اللہؐ نصرت و تائید کے طالب تھے اور ہجرت کے بعد کی تاریخ اسلام

شاہد ہے کہ حضرت علیؑ ہی یہ نصرت و تائید کرکے ہر دو شخصیتوں کے قائم مقام ٹھہرے۔

✿ حضرت خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا ہی سورۂ کوثر کی مخاطب ٹھہریں اور انہی سے نسل حضرت نبی اکرمؐ چلی، بڑھی، پھولی پھلی، حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا کو حضرت فاطمۃ الزہراءؑ کو پانچ سال تک تربیت کرنے کا شرف حاصل ہوا، کائنات کی اس عظیم، نفیسہ، ہوشمند، ذی وقار، شریف خاتون جو حسب ونسب، مال و دولت کے لحاظ سے قریش میں افضل ترین تھیں جن کا تقویٰ اور اشعار اس حد تک تھا کہ انہیں "طاہرہ" اور "سیدۃ قریش" کے لقب سے پکارا جاتا تھا یہ دونوں مختصر القابات ہی سے آپؑ کی مکمل حیات طیبہ سمجھنے میں مورخین کے لئے تحقیق کے دروازے کھلے ہیں۔

عرب کے اجڈ معاشرے میں کسی خاتون کو طاہرہ اور سیدۃ قریش پکارا جانے لگا تو یہ معجزہ والٰہی ہے۔ اس معاشرہ میں جہاں عورتوں کیلئے کوئی احترام کا مقام نہ تھا اور لڑکیوں کو اپنے لئے ننگ و عار سمجھنے والے بدو عرب، جناب سیدہ خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا کو جہاں "طاہرہ" جیسے مقدس لفظوں سے یاد کرتے وہاں پر وہ سب اس معصومہ بی بی کو اپنی سردار بھی مانتے تھے اور مکہ کے بڑے بڑے سردار آپ کے دروازہ پر پڑے رہتے اور آپؑ کے مال سے تجارت کرتے اپنی معیشت کو سنبھالا دیتے تھے اور اس حقیقت پر روشنی ان دو القاب سے پڑتی ہے کہ آپؑ کو عرب و غیر عرب ملیکۃ العرب اور ملیکۃ التجار (تمام تاجروں کی سربراہ) کے ناموں سے پکارتے تھے۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ باپ کی طرف سے 'قصی' تک پہنچ کر اور ماں کی طرف سے 'لوئی' تک پہنچ کر پاکیزہ نسب کی آٹھویں پشت میں مرسل اعظمؐ کے نسب میں شریک ہوجاتی ہیں اور گویا سرکار دو جہاں حضرت نبی اکرمؐ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ دونوں شجرہ طیبہ کے ہی پاک و پاکیزہ ثمر ٹھہرے (سیرت بتولؑ)

✿ حضرت عائشہ کا کہنا ہے کہ میں نے ازواج رسولؐ پر رشک نہیں کیا البتہ خدیجہ پر کیا، مزید کہنا ہے کہ حضرت رسول خداؐ جب کوئی بکری ذبح کرتے تو فرماتے اس کا گوشت خدیجہؑ کے عزیزوں، سہیلیوں کو بھیج دو، ایک دن میں نے آپؐ سے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا خدیجہ! آپؐ نے فرمایا "میرے دل میں ان کی محبت خدا نے ڈالی ہے"۔

✿ حضرت خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا کی عمر ایک قول کے مطابق ۲۸ سال جب کہ آیت اللہ سید محمد علی طباطبائی القوانین الشیعہ میں ص ۲۶ ج اطبع بیروت میں ۲۹ سال لکھتے ہیں چالیس سال والی بات درست نہیں (سیرت بتولؑ ص ۲۹)

✿ حیات القلوب ج ۲ مترجم ص ۷۲ پر علامہ محمد باقر مجلسیؒ عبداللہ بن عباسؓ سے روایت لکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ سے عقد کے وقت حضرت خدیجہؑ کی عمر اٹھائیس (۲۸) سال کی تھی۔

✿ قدیم تاریخ خمیس نے حضرت خدیجہؑ کی عمر ۲۸ سال بھی تحریر کی ہے اب جبکہ ۲۸۔۲۹ کی روایات موجود ہیں تو صرف چالیس سال کی ہی عمر پہ تکرار و اصرار کیوں؟ یہ ایک لمحۂ فکریہ ہے؟

✿ حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا کو حضرت نبی اکرمؐ کی رفاقت اور شریک حیات و شریک مقصد ہونے کا پچیس سال شرف حاصل رہا (سیرت بتولؑ ص ۲۹)

✿ حضرت خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا کی حضرت نبی کریمؐ سے رفاقت کا عرصہ پچیس سال جیسا کہ ذکر ہوا ہے مسلمان سیاسی حکومتوں کا رویہ ملاحظہ کریں کہ جس سیدہ خاتون نے آپؐ کے ساتھ ربع صدی کا عرصہ گزارا اس سے ۱۰۴۵ احادیث بھی نقل نہیں ہیں اس تعصب کے پیچھے کون سی سیاست یا تعصب تھا؟ محدثین کا ان سے صرف نظر کرنا صرف اتفاقیہ نہ تھا بلکہ اس کے پس منظر پر غور کرنے سے کچھ گتھی وجوہات بھی سامنے آتی ہیں۔

شعب ابی طالبؑ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا

علامہ محمد باقر مجلسیؒ حیات القلوب ج ۲ مترجم ص ۹۰ پر لکھتے ہیں کہ شیخ طبرسی اور قطب راوندی وغیرہ نے روایت کی ہے کہ نبوت کے آٹھویں سال دارالندوہ میں قریش مکہ جوان کے مشورہ کی جگہ تھی جمع ہوئے اور آنحضرتؐ کے سوشل بائیکاٹ کا فیصلہ کیا گیا جو تین سال تک رہا حضرت ابو طالبؑ نے آنحضرتؐ اور بنی ہاشم کو شعب ابی طالبؑ میں ٹھہرایا۔ اور چاروں اطراف حفاظتی بندوبست کیا آنحضرت کو حضرت ابو طالبؑ رات کے پہلے حصے میں ایک جگہ سلاتے تو ایک گھڑی کے بعد اپنے عزیز ترین فرزند علی بن ابی طالبؑ کو ان کی جگہ سلا دیتے تھے اور حضرت کو دوسری جگہ سلا دیتے تاکہ حضرت نبی اکرمؐ کو کوئی ضرر نہ پہنچے بلکہ ان کی اپنی اولاد

حضرت رسول اکرمؐ پر قربان ہو جائے۔

اہل عرب میں جو بھی تاجر مکہ آتا اس کی مجال نہ تھی کہ قریش کے ڈر سے بنی ہاشم کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرسکتا اور اگر کوئی شخص کچھ فروخت کر دیتا تو مشرکین مکہ اس کا تمام مال و سامان لوٹ لیتے، ابو جہل، عاص بن وائل، نضر بن حارث، عقبہ بن معیط قافلوں کے راستہ پر بیٹھے رہتے تھے اور تاجروں کو منع کرتے کہ کوئی چیز بنی ہاشم کے ہاتھ فروخت نہ کریں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا چونکہ بہت مالدار تھیں اس لئے انتہائی مہنگے داموں چند اشخاص کے ذریعے سامان خورد و نوش منگوایا جاتا اور آپؑ کی دولت کا وافر حصہ شعب ابی طالبؑ میں حفاظتِ اسلام، حفاظتِ نبی اکرمؐ، بنی ہاشم کے اخراجات پر صرف ہوا۔

✿ سیرت امیر المومنینؑ ج ا ص ۱۵۶ پر علامہ مفتی جعفر حسین لکھتے ہیں کہ ابو العاص ابن ربیع، حکیم ابن حزام اور ہشام ابن عمرو کبھی کبھار چوری چھپے اونٹوں پر غلہ لاد کر انہیں شعب ابی طالبؑ کی طرف ہنکا دیتے یا حج کے دنوں میں تھوڑا بہت غلہ مہنگے داموں خرید لیا جاتا اور اس سے گزر بسر کی جاتی، اس گراں خریداری اور مسلسل بیکاری کے نتیجہ میں رہی سہی پونجی ختم ہوگئی، فاقوں پر فاقے ہونے لگے اور درختوں کے پتے چبانے کی نوبت آگئی۔

✿ آیت اللہ دستغیب شہید "زندگانی حضرت سیدہ فاطمہؑ" ص ۱۵۴ پر تحریر کرتے ہیں کہ حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰؑ اسلام کی خاتون اول ہیں جنہوں نے نہ صرف مصطفیٰؐ کا کلمہ پڑھا بلکہ اپنی ساری دولت رسول اکرمؐ کے قدموں میں رکھ کر کہا:

"جس طرح چاہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اپنی نبوت کا پرچار کریں دین اسلام کی تبلیغ کریں اور یہ میری دولت جہاں چاہیں خرچ کریں"۔

جو کچھ حضرت خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا کے پاس مال و زر تھا سب کا سب راہ خدا میں قربان کر دیا۔

حضرت نبیؐ اکرم فرماتے ہیں کہ خدیجہؑ اس امت کی بہترین عورتوں میں سے ہیں۔ اور آپؑ آنحضرتؐ کے "دورِ معراج" کی شریک حیات ہیں۔

✿ حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا کی رحلت کے بعد مسلسل آنحضرتؐ اداس لہجے کے ساتھ ان کی اچھائیوں کو یاد فرماتے تھے بلکہ ان کی سہیلیوں کا مدام زندگی بھر احترام کرتے رہے۔

✿✿......✿......✿✿

(بقیہ.....قرآن وسنت کی روشنی میں امت اسلامیہ کی بیداری)

"ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء"

خدا البتہ اس جرم کو تو نہیں معاف کرتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے ہاں اس کے سوا جو گناہ ہو جس کو چاہے معاف کر دے، اس آیت مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ کسی مسلمان پر کفر و قتل کا حکم کیسے لگایا جا سکتا ہے جبکہ یہ امکان موجود ہے کہ خدا نے اسے معاف کر دے یا معاف کر دیا ہو۔

اس کے علاوہ ایک اور سوال درپیش ہے وہ یہ کہ بعض لوگ کس طرح سے ان مسلمانوں کے کفر و شرک کا فتویٰ جاری کر دیتے ہیں جو کلمہ شہادتین جاری کرتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں، حج کرتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، کیا صرف و صرف اس لئے کہ وہ ان کے ہم مسلک اور ہم رائے نہیں ہیں؟

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اسلام خدا کی وحدانیت اور رسول اللہؐ کی نبوت کا اقرار کرنا ہے ان شہادتوں سے جانوں کی حفاظت ہوتی ہے حضرت امام صادق علیہ السلام نے اس طرح اسلامی امت میں کلمہ "لا الہ الا اللہ" کی اہمیت واضح فرمائی ہے۔

ابو الحسن اشعری نے بھی کہا ہے کہ وہ اہل قبلہ میں سے جو بھی کلمہ شہادتین زبان پر جاری کرلے اسے کافر نہیں قرار دے سکتے۔

اس مضمون میں جو کچھ آپ کے سامنے پیش کیا گیا وہ ان متون و نصوص کا ایک چھوٹا سا نمونہ تھا جو مسلمانوں کی تکفیر و قتل کو حرام قرار دیتی ہیں اور اگر علماء و دانشوروں کے علاوہ بھی معاشرے کے دوسرے طبقے ذرائع ابلاغ عامہ سے علماء کے فتووں سے آگاہی حاصل کریں اور ہمارے علماء و دانشور اپنے قلم و زبان سے سنت نبویؐ کا دفاع کریں اور اتحاد اسلامی کیلئے کوششیں کریں تو معاشرے میں نئی فکر رائج ہوگی اور وہ فکر ایک دوسرے کا احترام کرنے نیز ایک دوسرے کی بات سننے کی ہوگی اس طرح ہم آزادی فکر و بیان اور گفتگو کے سازگار ماحول میں قدم رکھیں گے اور نتیجہ میں ہماری امت کے درمیان تعاون و مفاہمت بڑھتی جائے گی اور آخر کار ہم ایک امت واحدہ بن جائیں گے۔

✿✿......✿......✿✿

✿✿

حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام

انتخاب...... فروہ ارسلان سردابی

حضرت امام حسن علیہ السلام کی ولادت باسعادت منگل کی رات پندرہ رمضان المبارک بمطابق تین ہجری میں ہوئی البتہ کچھ مورخین نے آپ کی ولادت کا سال دو ہجری بھی لکھا ہے آپ کی ولادت کے بعد سیدہ کونین جناب فاطمتہ الزہراء، صدیقہ الکبریٰ بی بی نے امیر المومنینؑ سے عرض کی کہ آپ اپنے بیٹے کا نام تجویز فرمائیں تو آپؑ نے فرمایا کہ میں نام رکھنے میں رسول خداؐ پر سبقت نہیں لے سکتا نام وہ خود تجویز کریں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا میں اس مولود کا نام تجویز کرنے میں خداوند متعال پر سبقت نہیں لے سکتا۔ اس کا نام خود پروردگار رکھے گا اسی اثناء میں جبرئیلؑ امین نازل ہوئے اور خدا کا پیغام بھیجا کہ جو فرزند میں نے حضرت علیؑ کے گھر بھیجا ہے اس کی آپ کو مبارک ہو اور خدا نے سلام کے بعد کہا ہے کہ آپ سے علیؑ کو وہی نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی لہٰذا آپ اس نومولود کا نام ہارونؑ کے بیٹے کا نام پر رکھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیلؑ میری زبان عربی ہے جبکہ ہارونؑ کے بیٹے کا نام عبرانی ہے تو ارشاد خداوندی ہوا اس مولود کا نام حسنؑ رکھو جو کہ عبرانی زبان کے نام شبر کا معنی ہے۔

کشف الغمہ کی روایت کے مطابق حضرت امام حسن علیہ السلام کا رنگ مبارک سرخ و سفید تھا آنکھیں کشادہ اور زیادہ سیاہ تھیں آپ کے رخسار ابھرے ہوئے نہیں تھے بلکہ ہموار تھے آپ کی ریش مبارک گھنی تھی اور سر کے بال لمبے تھے آپ کا قد قدرے دراز تھا اور آپ کے کندھوں کے درمیان والا حصہ کشادہ تھا آپ بہت خوش خلق اور نرم گو تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضرت امام حسن علیہ السلام سے محبت کا یہ عالم تھا کہ ایک روز آنحضرتؐ منبر پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ سبط اکبر حضرت امام حسنؑ کے گریہ کرنے کی آواز آپ کے کانوں میں پڑی آپ بے تاب ہو گئے اور خطبہ ادھورا چھوڑ دیا جلدی سے گھر گئے اور حضرت امام حسنؑ کو اٹھایا گلے لگا کر بوسہ دیا اور جب امام حسنؑ چپ ہو گئے تو آپؐ دوبارہ خطبہ کے لئے تشریف لائے لوگوں نے سبب پوچھا تو آپؐ نے فرمایا حسنؑ کے گریہ نے مجھ پر اتنا اثر کیا کہ میرے لئے خطبہ جاری رکھنا مشکل ہو گیا۔

کشف الغمہ میں تحریر ہے کہ آپؐ امام حسنؑ کو کندھا پر اٹھا کر چلتے اور فرماتے تھے کہ جو مجھے دوست رکھتا ہے وہ حسنؑ کو بھی دوست رکھے حسنؑ سے دوستی کے بغیر میری دوستی ناممکن ہے۔

شہر آشوب نے صادق آل محمد علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ حضرت امام حسنؑ نے بیت اللہ کے پچیس (۲۵) پیدل حج کئے اور تین مرتبہ اپنا سارا مال راہِ خدا میں تقسیم کر دیا۔

آپ کی خوش خلقی اور بردباری سے تاریخ لبریز ہے آپ انتہائی حلیم الطبع شخصیت کے مالک تھے آپ ایک بار سواری پر جا رہے تھے کہ ایک شامی باشندے کا آپ کے سامنے سے گزر ہوا جونہی شامی کی نظر آپ پر پڑی تو اس نے آپ کو برا بھلا کہا اور گالیاں دینا شروع کر دیں۔

حضرت امام حسن علیہ السلام اس کی یہ حرکت خاموشی سے برداشت کئے جب وہ شامی آپ کو گالیاں دے کر تھک گیا تو آپ نے اپنا رخ انور اس کی طرف کیا

اسے سلام کیا اور فرمایا مجھے تم اپنی وضع قطع سے مسافر لگتے ہو اور ناواقفیت نے تمہیں اشتباہ میں ڈال دیا ہے۔ جس کے سبب تم یہ سب کچھ کہہ رہے ہو اگر تم رضا مندی چاہتے ہو تو میں تم سے راضی ہوں اگر تم کوئی حاجت رکھتے ہو تو بیان کرو میں فوراً پوری کروں گا اگر تم گرسنہ ہو تو تمہیں کھانا کھلاتا ہوں اگر لباس درکار ہے تو ہم تمہیں لباس دیتے ہیں اگر فقیر ہو تو ہم تمہیں اتنا دیں گے کہ پھر تم غیروں سے بے نیاز ہو جاؤ گے اگر تم پناہ کے طالب ہو تو ہمارا مہمان خانہ تمہارے لئے بہترین پناہ گاہ ہے تم جب تک رہو ہمارے مہمان رہو گے اور تمہاری عزت و خدمت میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

شامی نے جب آپؑ کی زبانِ مبارک سے اپنے لئے یہ کلمات سنے تو دھاڑیں مار کر رونے لگا اور کہا کہ بخدا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ روئے زمین پر اللہ کے برحق خلیفہ ہیں آپؑ سے ملاقات سے پہلے میں روئے زمین پر سب سے زیادہ دشمنی آپؑ سے رکھتا تھا اور ملاقات کے بعد روئے زمین پر آپؑ میری محبوب ترین ہستی ہیں۔

حضرت امام حسن علیہ السلام کی خدمت میں ایک مفلس اور پریشان حال شخص حاضر ہوا اور اپنی پریشانی کا اظہار کیا کچھ اشعار پڑھے جن کا مفہوم یہ تھا کہ میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں بچی جسے ایک درہم کے بدلے بیچوں میری حالت کے بارے آپؑ کو میرے امتحان کی ضرورت نہیں ہے میرے پاس کچھ نہیں سوائے چہرے کی آبرو کے جسے میں نے بچا رکھا تھا مگر آپؑ کو اس کا خریدار پایا تو بیچنے آ گیا ان اشعار کو سننے کے بعد حضرت امام حسن علیہ السلام نے اپنے خزانچی سے فرمایا کہ تمہارے پاس کیا ہے خزانچی نے عرض کی میرے پاس اس وقت کل پونجی بارہ ہزار درہم ہے آپؑ نے فرمایا وہ اس مردِ فقیر کو دے دو اور اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دو اور فقیر سے فرمایا کہ ہم تیرا حق ادا نہیں کر سکے لیکن جو کچھ ہمارے پاس تھا وہ ہم نے تجھے عطا کر دیا جو تو نے جلدی کی ورنہ ہماری بخشش کی تم پر موسلا دھار بارش ہوتی یہ عطا اس کے مقابل ہلکی بوندا باندی ہے اسے قبول کر لو۔

حضرت امام حسن علیہ السلام نے مسلمانوں کی بے وفائی اور مکر و فریب کی وجہ سے اور بدلتے ہوئے حالات کی بنا پر امیر شام سے صلح کی اگرچہ اس صلح سے پہلے آپؑ اپنا لشکر تشکیل دے چکے تھے مگر ایک بار پھر مسلمانوں کی روایتی بے حسی اور بے وفائی نے آپؑ کو صلح کی طرف جانے پر مجبور کیا ایک طرف لوگ گروہ در گروہ مراعات کی بنا پر امیر شام سے ملنے لگے تو دوسری طرف خوارج کا مذہب و نظریہ رکھنے والوں نے صلح پر آمادگی کی بنا پر آپؑ کے خیمہ پر حملہ کر دیا اور جو کچھ آپؑ کے پاس تھا لوٹ لیا حتیٰ کہ جس مصلّی پر معروفِ عبادت تھے وہ بھی آپؑ کے نیچے سے کھینچ لیا۔

لوگوں کی بے وفائی اور مکر و فریب آپؑ پر واضح ہو گئے دوسری طرف شیعہ بہت کم تعداد میں تھے اسی بنا پر امیر شام کے صلح کیلئے بھیجے گئے خط کے جواب میں آپؑ نے لکھا کہ لوگوں نے ہم سے وفا نہیں کی اور میں چند شرائط پر تم سے صلح کروں گا باوجودیکہ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم ان شرائطِ صلح پر عمل نہیں کرو گے اور ان کی خلاف ورزی کرو گے اس بادشاہی پر تم فخر نہ کرو بلکہ عنقریب یہ تمہارے لئے پشیمانی کا باعث ہو گی آپؑ کی طرف سے عبداللہ بن حارث نمائندگی کرنے گئے اور درج ذیل شرائط پر صلح ہوئی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

- حسن بن علیؑ نے امیر شام کے ساتھ صلح کی اور اس پر معترض نہیں ہوں گے۔
- امیر شام لوگوں کے درمیان کتابِ خدا اور سنتِ رسولؐ پر عمل کرے گا۔
- امیر شام اچھے خلفاء کی سیرت پر عمل کرے گا اور اپنے بعد کسی کو خلیفہ نامزد نہیں کرے گا۔
- اصحابِ کرام شیعیانِ علیؑ، اپنی جان مال اولاد اور عورتوں کے حوالے سے امن میں ہوں گے۔
- امام حسنؑ ان کے بھائی امام حسینؑ اور باقی اہلِ بیتؑ کے ساتھ کوئی مکر و فریب نہیں کیا جائے گا۔
- امیر المومنین علی علیہ السلام پر سب و شتم نہیں کیا جائے گا اور ان کے اصحاب اور شیعوں کو بھی ناسزا کلمات نہیں کہے جائیں گے۔

مندرجہ بالا شرائط کے متن سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ امیر شام اس سے پہلے مندرجہ بالا باتوں پر عمل نہیں کرتا تھا اور اسی بنا پر صلح نامہ کے تھوڑے عرصہ بعد ہی اس نے تخلف شروع کر دیا اور پھر آہستہ آہستہ تمام شرائط کو پامال کرتے ہوئے من مانی کرنے لگا۔

(باقی ص نمبر 21 کالم نمبر 2 پر) ☆

سبدِ گل

انتخاب و ترتیب ---- کنیز بتول

حسنؑ ہیں کتنے مشابہ رسولِ اکرمؐ سے	ہو جیسے وجہِ محمدؐ میں اپنی ہی تصویر	شاعر ---- حضرت ساحر لکھنوی (کراچی)
رحمتِ حق کی سند بن کے جہاں میں آئے	مثلِ قرآن حسنؑ بھی رمضاں میں آئے	شاعر ---- حضرت نسیم امروہوی
کھو جانے والی چیز حکومت تھی چھن گئی	چھینی نہ جا سکی جو امامت حسنؑ سے ہے	شاعر ---- زائر حسین زیدی
کفر و نفاق ضربِ علیؑ سے فنا ہوئے	صلحِ حسنؑ سے دینِ خدا کو بقا ملی	شاعر ---- سید ظہور جارچوی
آئے حسنؑ تو صلح کو معنی عطا ہوئے	اک لفظ میں چھپی ہوئی پوری کتاب ہے	شاعر ---- ریحان اعظمی
سوال مجھ سے جو کرتے ہو، صلح کیوں کر لی	جواب اس کا تمہیں دیں گے کربلا والے	شاعر ---- استاد قمر جلالوی
میں اک اک سانس میں مولا حسنؑ کا نام لیتا ہوں	مثالِ روح وہ میرے بدن کے ساتھ رہتا ہے	شاعر ---- علی رضا کاظمی (لاہور)
ذرا اے ربابؑ اصغرؑ کو بچا بچا کے رکھنا	اک تیر بچ کے نکلا ہے جنازۂ حسنؑ سے	شاعر ---- اختر چنیوٹی
فرزدق کی طرح سود و زیاں سے بالا ہو کر	حسنؑ کا نام لیتا ہوں حسنؑ کی بات کرتا ہوں	شاعر ---- سید سبط جعفر زیدی (کراچی)
بابِ حسنؑ کو دیکھا تو محسوس یہ ہوا	جنت ہے آسمان پہ اور در زمین پہ	شاعر ---- علامہ ذیشان حیدر جوادی
اک حدِ اعتدال پہ ہے فطرتِ حسنؑ	صورت میں پھول ہے تو ارادے میں سنگ ہے	شاعر ---- سید وحید الحسن ہاشمی
معرفت ہو تو اسے عظمتِ فن کہتے ہیں	سیرتِ احمدؐ مرسل کو حسنؑ کہتے ہیں	شاعر ---- حضرت سید قیصر بارہوی
کس کی یہ طاقت کہ ہو تجھ پہ کوئی حرف زن	صلح حدیبیہ کا، صلح میں تیری چلن	شاعر ---- حضرت نجم آفندی
شباہتِ نبویؐ میں بتولؑ جیسے ہیں	حسنؑ بھی قول و عمل میں رسولؐ جیسے ہیں	شاعر ---- ڈاکٹر مسعود رضا خاکی
امینِ عالم جسے تعظیم کا معیار کہے	ہم اُسے خُلقِ امامت میں حسنؑ کہتے ہیں	شاعر ---- سید محسن نقوی شہید
ہوا زہراؑ کا گھر آغازِ شرحِ سورۂ کوثر	حسنؑ کی شکل میں اُبھری کلامِ حق کی سچائی	شاعر ---- سید شاہد نقوی (کراچی)
اک وجد کے عالم میں ہیں سرکارِ دو عالمؐ	دینے لگے بوسے وہ رخِ پاکِ حسنؑ پہ	شاعر ---- کیپٹن سید جعفر طاہر (جھنگ)
ترتیبِ نور خوش ہے میرے اس سخن کے بعد	سب کچھ میرا حسینؑ ہے لیکن حسنؑ کے بعد	شاعر ---- صفدر حسین ڈوگر کربلائی
ہوئی بشکلِ حسنؑ میں مولود تفسیر الکوثر	عدوئے مصطفیٰؐ ابتر ہے اس کی نسل ویراں ہے	شاعر ---- اثر ترابی

حضرت علی علیہ السلام کی شہادت

از ۔۔۔ رباب صفدر (ایم اے ایجوکیشن)

پہلے ہی سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امام علی علیہ السلام کی شہادت کی خبر دی تھی اور خود حضرت علی علیہ السلام بھی جانتے تھے اور کئی مرتبہ اس کی خبر دے چکے تھے اس مقام پر چار روایات ہیں جو بیان کرتے ہیں۔

حضرت پیغمبر اکرمؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا

"یا علی اشقی الاولین عاقر الناقة و اشقی الآخرین قاتلک وفی روایة من یخضب هذه من هذا"

اے علیؑ پہلے لوگوں میں سے سب سے زیادہ شقی اور بد بخت وہ ہے کہ جس نے صالح کی اونٹنی کو قتل کیا اور آخرین میں سب سے زیادہ بد بخت اور شقی تیرا قاتل ہے ایک روایات میں آیا ہے کہ یہ وہ ہے کہ جو اس کو تیرے خون سے رنگین کرے گا اور حضرت کا اشارہ ریش مبارک کی طرف تھا کہ سر کے خون سے تمہاری داڑھی خضاب ہوگی حضرت علیؑ کو انیس کی رات ضربت لگی اور ماہ رمضان میں کسی رات اپنے فرزند حضرت امام حسنؑ کے پاس رہتے تھے اور کسی رات اپنے فرزند حضرت امام حسینؑ کے پاس رات گزارتے تھے اور کبھی اپنے داماد عبداللہ بن جعفر کے پاس افطار کرتے تھے اور تین لقمہ سے زیادہ تناول نہیں فرماتے تھے حضرتؑ کے فرزندوں میں سے ایک نے حضرتؑ سے پوچھا کہ آپ کھانا کم کیوں کھاتے ہیں تو حضرتؑ نے اس کے جواب میں فرمایا

"یا بنی یاتیامر الله و انا خمیص انما هی لیلة اولیلتان"

اے میرے بیٹے خدا کا امر موت آنے والا ہے میں چاہتا ہوں کہ اس حالت میں شکم خالی ہو اور وہ وقت ایک رات یا دو راتوں سے زیادہ باقی نہیں ہے۔

حضرت علی علیہ السلام جب انیسویں کی صبح اپنے گھر سے مسجد کی طرف نکلے تو اس وقت بطخوں نے حضرتؑ سے فریاد کی گھر والے ان کو حضرتؑ سے دور کرنے لگے تو حضرتؑ نے فرمایا "ذروهن فانهن نوائح" ان کو چھوڑ دو یہ نوحہ کر رہی ہیں اور کبھی فرماتے تھے

"والله لتخضبن هذه من هذا"

اللہ کی قسم اور ساتھ ہی حضرتؑ نے اپنے ہاتھ کو سر اور داڑھی پر پھیرا اور فرمایا کہ یہ عنقریب خضاب ہوگی۔

حضرت علی علیہ السلام کے سر پر ضربت لگنے کا واقعہ

حضرت علی علیہ السلام ہجرت کے چالیسویں سال انیس ماہ رمضان سحری کے وقت معمول کے مطابق نماز جماعت کیلئے گھر سے مسجد کوفہ روانہ ہوئے مسعودی لکھتا ہے کہ اس رات گھر کا دروازہ کھولنا حضرتؑ کیلئے دشوار ہوا جو کہ خرمہ کی لکڑی سے بنا ہوا تھا حضرتؑ نے اس دروازے کو اکھاڑا اپنی کمر اور سینے کو موت کیلئے باندھ دو کیونکہ موت تمہاری ملاقات کرے گی اور موت سے جزع فزع نہ کرو جب کہ وہ موت تمہارے گھر میں اترے اس کے بعد حضرت علیؑ مسجد کی طرف روانہ ہوئے معمول کے مطابق دو رکعت نماز پڑھی اس کے بعد چھت پر تشریف لے گئے تا کہ اذان دیں بلند آواز سے اذان دی کہ حضرتؑ کی یہ آواز تمام کوفہ میں رہنے والوں کے کانوں تک پہنچی اس کے بعد امام چھت سے نیچے تشریف لائے محراب مسجد میں چلے گئے صبح کی نافلہ نماز میں مشغول ہو گئے جب حضرتؑ نے سجدہ اول سے سر اٹھانا چاہا تو اس تاریکی میں ابن ملجم نے ایسی تلوار حضرتؑ کے سر پر ماری کہ جس سے حضرت کا سر شگافتہ ہو گیا وہ ضربت پیشانی تک پہنچی حضرت امیر المومنینؑ نے اس موقع پر فرمایا

"بسم اللہ وباللہ وعلی ملۃ رسول اللہ فزت برب الکعبۃ"

خدا کے نام کے ساتھ خدا کیلئے رسول خداؐ کے دین پر کعبہ کے خدا کی قسم میں کامیاب ہوا اس کے بعد تھوڑی سی مٹی محراب سے اٹھائی اور سر کے زخم پر رکھ دی اور یہ آیت پڑھی

"منھا خلقنا کم ومنھا نعید کم ومنھا نخرجکم تارۃ اخری"

ترجمہ "ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا ہے اور تمہیں مٹی ہی میں لوٹائیں گے اور پھر دوبارہ اس مٹی سے نکالیں گے"۔

جبرئیل امین نے زمین اور آسمان کے درمیان فریاد بلند کی اور کہا

خدا کی قسم ہدایت کے ستون منہدم ہو گئے اور تقویٰ کی عظیم الشان نشانیاں تاریک ہو گئیں ایمان کی محکم رسی ٹوٹ گئی مصطفیؐ کے چچازاد بھائی شہید ہوئے ان کو اشقیا میں سب سے بڑے شقی نے قتل کیا ہے۔

ابن ملجم اور ساتھیوں کے فرار کا واقعہ

منقول ہے کہ تینوں ابن ملجم، شبیب اور وردان اس دروازے کے پیچھے کہ جس سے حضرتؑ نماز پڑھنے کیلئے جاتے تھے چھپ گئے جب حضرت علیؑ وہاں پر آئے تو ان تینوں نے اس دروازہ سے حملہ کیا شبیب کی تلوار مسجد کی چھت کے نچلے حصہ کو لگی لیکن ابن ملجم کی تلوار حضرتؑ کے فرق مبارک پر لگی یہ تینوں بھاگ گئے شبیب اپنے گھر چلا گیا اس کے چچازاد بھائی نے دیکھا ریشمی کپڑا جسے اس نے اپنے سینے پر لپیٹا ہوا تھا اسکو اتارنا چاہتا تھا اتنے میں اس کے چچازاد بھائی نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کو شہید کیا ہے شبیب کہنا چاہتا تھا کہ نہیں لیکن جلدی میں کہا ہاں اسی وقت اس کے چچازاد بھائی نے اپنی تلوار سے اس پر حملہ کیا اور اسکو قتل کیا اور ابن ملجم کسی اور طرف سے نکل گیا ابوذر جو ہمدان قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے اس کے پیچھے دوڑے اور کوفہ کے باہر منہ اندھیرے کے وقت اپنی چادر جوان کے پاس تھی اس پر ڈال دی اور اسکو پکڑ کر زمین پر دے مارا اور اس کی تلوار کو چھین لیا اور اسکو امیر المومنین کے پاس لے آئے اور امیر المومنین کا تیسرا قاتل وردان فرار ہو گیا اور لاپتہ ہو گیا بعد میں معلوم ہوا کہ اسکو بھی قتل کر دیا ہے امیر المومنین نے ابن ملجم کے بارے میں فرمایا اگر میں اس ضربت سے دنیا سے چلا گیا تو اسکو قصاص کے بدلے قتل کریں اگر میری جان بچ گئی اسوقت جو میری رائے ہوگی اس کے مطابق عمل کرونگا ایک دوسری روایت کے مطابق فرمایا اگر میں اس دنیا سے چلا گیا تو پیغمبروں کے قاتلوں کی طرح اسکو سزا کے قاتلوں کا قصاص قتل کرنا اور جلانا ہے ابن ملجم نے کہا

"واللہ لقد ابتعتہ بالف وسممتہ بالف فان خاننی فابعدہ اللہ"

خدا کی قسم اس تلوار کو میں نے ہزار درہم میں خریدا ہے اور ہزار درہم کے ساتھ اسکو زہر دیا ہے اس کے باوجود اگر یہ تلوار خیانت کرے تو اس پر نفرین ہو مولاؑ کو جب کہ آپؑ خون میں آلودہ تھے ایک کمبل پر رکھا گیا اور اس اطراف کو پکڑ کر آپ کو گھر لے آئے لوگ گروہ در گروہ حضرت علیؑ کے گھر آتے تھے اور اپنے سروں کو گھر کی دیواروں سے ٹکراتے تھے اور روتے تھے اور علاج معالجہ کیلئے کوفے کے اطباء کو حاضر کیا گیا اثیر بن عمرو جو سب سے زیادہ ماہر طبیب تھا حضرتؑ کے سرہانے آیا اور سر کے زخم کو دیکھا اور کہا کہ گوسفند کے سفید جگر کو لے آئیں تو فوراً جگر کو حاضر کیا گیا اس نے اس سے ایک رگ کو نکالا اور حضرت امام علیؑ کے دماغ پر رکھا اور تھوڑی دیر کے بعد اس رگ کو باہر نکالا جس سے پتہ چلا کہ ضربت دماغ تک پہنچ چکی ہے تمام رشتہ دار منتظر تھے تاکہ سنیں کہ طبیب کیا کہتا ہے اچانک انہوں نے سنا کہ اثیر بن عمرو امامؑ سے کہتا ہے کہ جلد از جلد وصیت کیجئے کہ ضربت دماغ تک پہنچ چکی ہے اور اسکا علاج ناممکن ہے حضرت علیؑ نے وصیت کی۔

حضرت علی علیہ السلام کے دفن کا واقعہ

بعض نے نقل کیا ہے کہ اپنی شہادت سے چند گھنٹے قبل حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کو اس طرح وصیت کی جب میں اس دنیا سے چلا جاؤں تو مجھے تابوت میں رکھنا اس کے بعد تابوت سے گھر سے باہر نکالنا تم تابوت کے پچھلے حصہ کو اٹھانا تابوت کا اگلا حصہ خود بخود اٹھ جائے گا مجھے سرزمین غری یعنی نجف میں دفن کرنا وہاں ایک چمکتا ہوا سفید پتھر دکھائی دے گا اور ایک تختی نظر آئے گی اسکو اٹھانا اس کے نیچے تیار شدہ قبر ملے گی جو کہ قبر حضرت آدمؑ کے سر کے جانب ہوگی مجھے اس میں دفن کر دینا جب حضرتؑ کی اکیس رمضان کی رات شہادت ہوئی۔ حضرت امام حسن علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے تعاون سے حضرتؑ کو غسل کے بعد حنوط کیا۔ (باقی ص نمبر 9 کالم نمبر 2 پر) ☆

تفسیر سورۃ القدر

انتخاب وپیشکش...... مولانا قمر علی استوری

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا۔اس میں ۵ آیات ہیں۔

سورہ قدر کے مطالب

اس سورہ کا مضمون جیسا کہ اس کے نام سے بھی ظاہر ہوتا ہے شب قدر، قدر میں قرآن کا نزول ہے۔اس کے بعد شب قدر کی اہمیت اور اس کے برکات و آثار کا بیان ہے۔

اس بارے میں کہ یہ سورہ "مکہ" میں نازل ہوا ہے یا "مدینہ" میں، مفسرین کے درمیان مشہور اس کا "مکی" ہونا ہے لیکن بعض نے احتمال دیا ہے کہ یہ مدینہ میں نازل ہوا ہے کیونکہ ایک روایت میں آیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ "بنی امیہ" آپؐ کے منبر پر چڑھ گئے ہیں۔یہ چیز آپؐ پر گراں گزری اور آپؐ رنجیدہ ہوئے تو سورہ قدر نازل ہوئی اور آپؐ کو تسلی دی،لہٰذا بعض علماء "لیلۃ القدر خیر من الف شھر" کو بنی امیہ کی حکومت کی طرف ناظر سمجھتے ہیں جو تقریباً ایک ہزار ماہ رہی)اور ہم جانتے ہیں کہ مسجد اور منبر مدینہ میں بنائے گئے تھے(روح المعانی جلد ۳۰ ص ۱۸۸ و "درالمنثور" جلد ۶ ص ۳۷۱)

اس سورہ کی فضیلت

اس سورہ کی فضیلت میں یہی کافی ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا

"من قرأ ها اعطی من الاجر کمن صام رمضان واحیا لیلۃ القدر"

"جو شخص اس کی تلاوت کرے گا تو وہ اس شخص کی طرح ہوگا جس نے ماہ رمضان کے روزے رکھے اور شب قدر کو احیاء کیا ہو"(مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۵۱۶)

ایک اور حدیث میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے آیا ہے

"من قرأ انّا انزلناہ بجھر کان کشاھر سیفہ فی سبیل اللہ و من قرأھا سرًّا کان کالمتشحط بدمہ فی سبیل اللہ"

"جو شخص سورہ انا انزلناہ کو بلند آواز سے پڑھے وہ اس شخص کی مانند ہے جس نے راہ خدا میں تلوار کھینچی اور جہاد کیا،اور جو شخص اسے آہستہ اور پنہاں طور پڑھے وہ اس شخص کے مانند ہے جو راہ خدا میں اپنے خون میں لت پت ہو"۔

(مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۵۱۶)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انا انزلناہ فی لیلۃ القدر. وما ادراک مالیلۃ القدر. لیلۃ القدر خیر مّن الف شھر. تنزّلُ الملآئکۃُ و الرّوح فیھا باذن ربھم من کل امرٍ. سلامٌ ھی حتّی مطلع الفجر.

ترجمہ"شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن ورحیم ہے۔ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل کیا ہے۔اور تو کیا جانے شب قدر کیا چیز ہے؟ شب قدر ہزار مہینہ سے بہتر ہے فرشتے اور روح اس رات میں اپنے پروردگار کے اذن سے ہر کام (کی تقدیر) کے لیے اترتے ہیں"۔

شب قدر نزول قرآن کی رات

قرآن کی آیات سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید ماہ مبارک میں نازل ہوا ہے

"شھر رمضان الذی انزل فیہ القران"(بقرہ ۱۸۵)اور اس تعبیر کا ظاہر یہ ہے کہ سارا قرآن اسی ماہ میں نازل ہوا ہے۔

اورسورہ قدر کی پہلی آیت میں مزید فرماتا ہے "ہم نے اسے شب قدر میں نازل کیا" اگر چہ اس آیت میں صراحت کے ساتھ قرآن کا نام ذکر نہیں ہوا، لیکن یہ بات مسلم ہے کہ "انا انزلناہ" کی ضمیر قرآن کی طرف لوٹتی ہے اور اس کا ظاہری ابہام اس کی عظمت اور اہمیت کے بیان کے لیے ہے۔

"انا انزلناہ" (ہم نے اسے نازل کیا ہے) کی تعبیر بھی اس عظیم آسمانی کتاب کی عظمت کی طرف ایک اور اشارہ ہے جس کے نزول کی خدا نے اپنی طرف نسبت دی ہے مخصوصاً صیغہ متکلم مع الغیر کے ساتھ جو جمع کا مفہوم رکھتا ہے، اور یہ عظمت کی دلیل ہے۔ اس کا شب "قدر" میں نزول وہی شب جس میں انسانوں کی سر نوشت اور مقدرات کی تعین ہوتی ہے۔ یہ اس عظیم آسمانی کتاب کے سرنوشت ساز ہونے کی ایک اور دلیل ہے۔

اس آیت کو سورہ بقرہ کی آیت کے ساتھ ملانے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شب قدر ماہ مبارک رمضان میں ہے، لیکن وہ کون سی رات ہے قرآن سے اس بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن روایات میں اس سلسلہ میں بھی اور دوسرے مسائل کے بارے میں بھی گفتگو کریں گے۔

یہاں ایک سوال سامنے آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ تاریخی لحاظ سے بھی اور قرآن کے مضمون اور پیغمبر اکرمؐ کی زندگی سے ارتباط کے لحاظ سے بھی یہ مسلم ہے کہ یہ آسمانی کتاب تدریجی طور پر اور ۲۳ سال کے عرصہ میں نازل ہوئی ہے۔ یہ بات اوپر والی آیات سے جو یہ کہتی ہیں کہ ماہ رمضان میں اور شب قدر میں نازل ہوئی، کس طرح سازگار ہوگی؟

اس سوال کا جواب: جیسا کہ بہت محققین نے کہا ہے، یہ ہے کہ قرآن کے دو نزول ہیں۔

۱۔ نزول دفعی: جو ایک ہی رات میں سارے کا سارا پیغمبر اکرمؐ کے پاس قلب پر یا بیت المعمور پر یا لوح محفوظ سے نچلے آسمان پر نازل ہوا۔

۲۔ نزول تدریجی: جو تیئیس سال کے عرصہ میں نبوت کے دوران انجام پایا۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ آغاز نزول قرآن شب قدر میں ہوا تھا، نہ کہ سارا قرآن، لیکن یہ چیز آیت کے ظاہر کے خلاف ہے، جو کہتی ہے کہ ہم نے قرآن کو شب قدر میں نازل کیا ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ قرآن کے نازل ہونے کے سلسلے میں بعض آیات میں "انزال" اور بعض میں "تنزیل" تعبیر ہوئی ہے۔ اور لغت کے کچھ متون سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ "تنزیل" کا لفظ عام طور پر وہاں بولا جاتا ہے جہاں کوئی چیز تدریجاً نازل ہو لیکن "انزال" زیادہ وسیع مفہوم رکھتا ہے جو نزول دفعی کو بھی شامل ہوتا ہے (مفردات راغب مادۂ نزل)

تعبیر کا یہ فرق جو قرآن میں آیا ہے ممکن ہے کہ اوپر والے دو نزولوں کی طرف اشارہ ہو۔

بعد والی آیت میں شب قدر کی عظمت کے بیان کے لیے فرماتا ہے "تو کیا جانے کہ شب قدر کیا ہے"۔

اور بلا فاصلہ کہتا ہے "شب قدر ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینے سے بہتر ہے"۔

یہ تعبیر اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ اس رات کی عظمت اس قدر ہے کہ پیغمبر اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک بھی اپنے اس وسیع و عریض علم کے باوجود آیات کے نزول سے پہلے واقف نہیں تھے۔

ہم جانتے ہیں کہ ہزار ماہ اسی (۸۰) سال سے زیادہ ہے۔ واقعاً کتنی باعظمت رات ہے جو ایک پربرکت طولانی عمر کے برابر قدر و قیمت رکھتی ہے۔

بعض تفاسیر میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

"بنی اسرائیل میں سے ایک شخص نے لباس جنگ زیب تن کر رکھا تھا، اور ہزار ماہ تک اسے نہ اتارا، وہ ہمیشہ جہاد فی سبیل اللہ میں مشغول (یا آمادہ) رہتا تھا، پیغمبر اکرمؐ کے اصحاب و انصار نے تعجب کیا، اور آرزو کی کہ کاش اس قسم کی فضیلت و افتخار انہیں بھی میسر آئے تو اوپر والی آیات نازل ہوئیں۔ اور بیان کیا کہ شب قدر ہزار ماہ سے افضل ہے (درالمنثور جلد ۶ ص ۳۷۱)

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبرؐ نے بنی اسرائیل کے چار افراد کو ذکر کیا جنہوں نے اسی سال بغیر معصیت کے خدا کی عبادت کی تھی۔ اصحابؓ نے آرزو کی کہ کاش وہ بھی اس قسم کی توفیق حاصل کرتے تو اس سلسلہ میں اوپر والی آیات نازل ہوئیں (درالمنثور جلد ۶ ص ۳۷۱)

اس بارے میں کہ یہاں ہزار کا عدد "تعداد" کیلئے ہے یا "تکثیر" کے لیے بعض نے کہا ہے یہ تکثیر کے لیے ہے، اور شب قدر کی قدر و منزلت کئی ہزار ماہ سے بھی

زیادہ ہے، لیکن وہ روایات جو ہم نے اوپر نقل کی ہیں وہ اس بات کی نشان دہی کرتی ہیں کہ عدد مذکور تعداد ہی کیلئے ہے اور اصولی طور پر بھی عدد ہمیشہ کیلئے ہوتا ہے مگر یہ کہ تکثیر پر کوئی واضح قرینہ موجود ہو، اور اس کے بعد اس عظیم رات کی مزید تعریف و توصیف کرتے ہوئے اضافہ کرتا ہے "اس رات میں فرشتے اور روح اپنے پروردگار کے اذن سے ہر کام کی تقدیر کے لیے نازل ہوتے ہیں"۔

اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ "تنزل" فعل مضارع ہے اور استمرار پر دلالت کرتا ہے (جو اصل میں "تتنزل" تھا) واضح ہو جاتا ہے کہ شب قدر پیغمبر اکرمؐ اور نزول قرآن کے زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں تھی، بلکہ یہ ایک امر مستمر ہے، اور ایسی رات ہے جو ہمیشہ آتی رہتی ہے اور ہر سال آتی ہے۔

اس بارے میں کہ روح سے کیا مراد ہے بعض نے تو یہ کہا ہے کہ اس سے مراد "جبرئیل امین" ہے، جسے "روح الامین" بھی کہا جاتا ہے، اور بعض نے "روح" کی سورہ شوریٰ کی آیہ ۵۲ "وکذلک اوحینا الیک روحاً من امرنا" "جیسا کہ ہم نے گزشتہ انبیاء پر وحی کی تھی، اسی طرح سے تجھ پر بھی اپنے فرمان سے وحی کی ہے" کے قرینہ سے "وحی" کے معنی میں تفسیر کی ہے۔

اس بناء پر آیت کا مفہوم اس طرح ہوگا "فرشتے وحی الٰہی کے ساتھ، مقدرات کی تعیین کے سلسلہ میں، اس رات میں نازل ہوتے ہیں"۔ یہاں ایک تیسری تفسیر بھی ہے جو سب سے زیادہ قریب نظر آتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ "روح ایک بہت بڑی مخلوق ہے جو فرشتوں سے مافوق ہے، جیسا کہ ایک روایت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ ایک شخص نے آپؑ سے سوال کیا، کیا روح وہی جبرئیل ہے؟" امام علیہ السلام نے جواب میں فرمایا

"جبرئیل من الملائکة والروح اعظم من الملائکة ان اللہ عزوجل یقول تنزل الملائکة والروح"۔

"جبرئیل تو ملائکہ میں سے ہے، اور روح ملائکہ سے زیادہ عظیم ہے، کیا خداوند تعالیٰ یہ نہیں فرماتا: ملائکہ اور روح نازل ہوتے ہیں؟ (تفسیر برہان جلد ۴ ص ۴۸۱)

یعنی مقابلہ کے قرینہ سے یہ دونوں آپس میں مختلف ہیں لفظ "روح" کیلئے یہاں دوسری تفاسیر بھی ذکر ہوئی ہیں کیونکہ ان کے لیے کوئی دلیل نہیں تھی لہٰذا ان سے صرف نظر کی گئی ہے "من کل امر" سے مراد یہ ہے کہ فرشتے سرنوشتوں کی تقدیر و تعین کیلئے، اور ہر خیر و برکت لانے کیلئے اس رات میں نازل ہوتے ہیں، اور ان کے نزول کا مقصد ان امور کی انجام دہی ہے۔ یا یہ مراد ہے کہ ہر امر خیر اور ہر سر نوشت اور تقدیر کو اپنے ساتھ لاتے ہیں (بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ خدا کے امر و فرمان سے نازل ہوتے ہیں لیکن مناسب وہی پہلا معنی ہے)

"ربھم" کی تعبیر کو، جس میں ربوبیت اور تدبیر جہاں کے مسئلہ پر بات ہوئی ہے، ان فرشتوں کے کام کے ساتھ قریبی مناسبت ہے، کہ وہ امور کی تدبیر و تقدیر کے لیے نازل ہوتے ہیں، اور ان کا کام بھی پروردگار کی ربوبیت کا ایک گوشہ ہے۔ اور آخری آیت میں فرماتا ہے "یہ ایک ایسی رات ہے، جو طلوع صبح تک سلامتی اور خیر و برکت و رحمت سے پر رہتی ہے"۔

قرآن بھی اسی میں نازل ہوا، اس کا احیاء اور شب بیداری بھی ہزار ماہ کے برابر ہے، خدا کی خیرات و برکات بھی اسی شب میں نازل ہوتی ہیں، اس کی رحمت خاص بھی بندوں کے شامل حال ہوتی ہے، اور فرشتے اور روح بھی اسی رات میں نازل ہوتے ہیں۔

اسی بناء پر یہ ایک ایسی رات ہے جو آغاز سے اختتام تک سراسر سلامتی ہی سلامتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض روایات کے مطابق تو اس رات میں شیطان کو زنجیر میں جکڑ دیا جاتا ہے لہٰذا اس لحاظ سے بھی یہ ایک ایسی رات ہے جو سالم اور سلامتی سے توأم ہے۔

اس بناء پر "سلام" کا اطلاق، جو سلامت کے معنی میں ہے (سالم کے اطلاق کے بجائے) حقیقت میں ایک قسم کی تاکید ہے، جیسا کہ بعض اوقات ہم کہہ دیتے ہیں کہ فلاں آدمی عین عدالت ہے۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس رات پر "سلام" کا اطلاق اس بناء پر ہے کہ فرشتے مسلسل ایک دوسرے پر یا مومنین پر سلام کرتے ہیں، یا پیغمبرؐ کے حضور میں اور آپؐ کے معصوم جانشین کے حضور میں جا کر سلام عرض کرتے ہیں۔

ان تفسیروں کے درمیان جمع بھی ممکن ہے۔

بہر حال یہ ایک ایسی رات ہے جو ساری کی ساری نور و رحمت، خیر و برکت، سلامت و سعادت، اور ہر لحاظ سے بے نظیر ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا گیا۔کیا آپ جانتے ہیں کہ شب قدر کونسی رات ہے؟ تو آپؑ نے فرمایا

"کیف لانعرف و الملائکۃ تطوف بنا فیھا"

"ہم کیسے نہ جانیں گے جبکہ فرشتے اس رات ہمارے گرد طواف کرتے ہیں"(تفسیر برہان جلد۴ص ۴۸۸ حدیث ۲۹)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں آیا ہے کہ خدا کے کچھ فرشتے آپؑ کے پاس آئے اور انہیں بیٹے کی ولادت کی بشارت دی اور ان پر سلام کیا(ہود۶۹) کہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کی جو لذت ان فرشتوں کے سلام میں آئی، ساری دنیا کی لذتیں بھی اس کے برابر نہیں تھیں۔اب غور کرنا چاہیے کہ جب شب قدر میں فرشتے گروہ در گروہ نازل ہو رہے ہوں، اور مومنین کو سلام کر رہے ہوں تو اس میں کتنی لذت، لطف اور برکت ہوگی؟! جب ابراہیمؑ کو آتش نمرود میں ڈالا گیا تو فرشتوں نے آکر آپؑ کو سلام کیا اور آگ ان پر گلزار بن گئی تو کیا شب قدر میں مومنین پر فرشتوں کے سلام کی برکت سے آتش دوزخ "برد" و "سلام" نہیں ہو گی؟ ہاں! یہ امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کی نشانی ہے کہ وہاں تو خلیل پر نازل ہوتے ہیں اور یہاں اسلام کی اس امت پر(تفسیر فخر رازی جلد۳۲ص ۳۶)

شب قدر میں کون سے امور مقدر ہوتے ہیں؟

اس سوال کے جواب میں کہ اس رات کو شب قدر کا نام کیوں دیا گیا ہے، بہت کچھ کہا گیا ہے: مجملہ یہ کہ:

۱۔شب قدر کو شب قدر کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ بندوں کے تمام سال کے سارے مقدرات اسی رات میں تعین ہوتے ہیں، اس معنی کی گواہ سورہ دخان ہے جس میں آیا ہے کہ "انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ انا کنا منذرین فیا یفرق کل امر حکیم "ہم نے اس کتاب مبین کو ایک پر برکت رات میں نازل کیا ہے، اور ہم ہمیشہ ہی انذار کرتے رہتے ہیں، اس رات میں ہر امر خداوند عالم کی حکمت کے مطابق تنظیم و تعین ہوتا ہے"(دخان ۳۔۴)

یہ بیان متعدد روایات کے ساتھ ہم آہنگ ہے جو کہتی ہیں کہ اس رات میں انسان کے ایک سال کے مقدرات کی تعین ہوتی ہے اور رزق، عمریں اور دوسرے امور اسی مبارک رات میں تقسیم اور بیان کیے جاتے ہیں۔

البتہ یہ چیز انسان کے ارادہ اور مسئلہ اختیار کے ساتھ کسی قسم کا تضاد نہیں رکھتی، کیونکہ فرشتوں کے ذریعے تقدیر الٰہی لوگوں کی شائستگیوں اور لیاقتوں، اور ان کے ایمان و تقویٰ اور نیت اعمال کی پاکیزگی کے مطابق ہوتی ہے۔

یعنی ہر شخص کے لیے وہی کچھ مقدر کرتے ہیں جو اس کے لائق ہے، یا دوسرے لفظوں میں، اس کے مقدمات خود اسی کی طرف سے فراہم ہوتے ہیں، اور یہ امر نہ صرف یہ کہ اختیار کے ساتھ کوئی منافات نہیں رکھتا، بلکہ یہ اس پر ایک تاکید ہے۔

۲۔بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس رات کا اس وجہ سے شب قدر نام رکھا گیا ہے کہ وہ ایک عظیم وقدر و شرافت کی حامل ہے(جس کی نظیر سورہ حج کی آیہ ۷۴ میں آئی ہے)(ماقدروا اللہ حق قدرہ) انہوں نے حقیقت میں خدا کی قدر و عظمت کو ہی نہیں پہچانا"۔

۳۔بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن اپنی پوری قدر و منزلت کے ساتھ، قدر و منزلت والے رسول پر اور صاحب قدر و منزلت فرشتے کے ذریعے اس میں نازل ہوا ہے۔

۴۔یا یہ مطلب ہے کہ ایک ایسی رات ہے جس میں قرآن کا نازل ہونا مقدر ہوا ہے۔

۵۔یا یہ کہ جو شخص اس رات کو بیدار رہے تو وہ صاحب قدر و مقام و منزلت ہو جاتا ہے۔

۶۔یا یہ بات ہے کہ اس رات میں اس قدر فرشتے نازل ہوتے ہیں کہ ان کے لیے عرصہ زمین تنگ ہو جاتا ہے، کیونکہ تقدیر تنگ ہونے کے معنی میں بھی آیا ہے" و من قدر علیہ رزقہ "(طلاق ۷)

ان تمام تفاسیر کا "لیلۃ القدر" کے وسیع مفہوم میں جمع ہونا پورے طور پر ممکن ہے اگر چہ پہلی تفسیر زیادہ مناسب اور زیادہ مشہور ہے۔

شب قدر کون سی رات ہے؟

اس بارے میں کہ "لیلۃ القدر" ماہ رمضان میں ہوتی ہے، کوئی شک و شبہ نہیں ہے کیونکہ قرآن کی تمام آیات اسی معنی کا اقتضا کرتی ہیں، ایک طرف تو وہ کہتی ہیں کہ قرآن ماہ رمضان میں نازل ہوا ہے(بقرہ ۱۸۵) اور دوسری طرف یہ کہتی

ہیں کہ شب قدر میں نازل ہوا ہے (آیات زیر بحث)

لیکن اس بارے میں کہ ماہ رمضان کی راتوں میں سے کون سی رات ہے، بہت اختلاف ہے، اوراس سلسلہ میں بہت سی تفاسیر بیان کی گئی ہیں۔ مجملہ: پہلی رات سترہویں رات، انیسویں رات، اکیسویں رات، تیئسویں رات، اور ستائیویں رات اورانتیسویں رات۔

لیکن روایات میں مشہور ومعروف یہ ہے کہ ماہ رمضان کی آخری دس راتوں میں سے اکیسویں یا تیئسویں رات ہے۔اسی لیے ایک روایت میں آیا ہے کہ پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماہ مبارک کی آخری دس راتوں میں تمام راتوں کا احیاء فرماتے اورعبادت میں مشغول رہتے تھے۔

ایک روایت میں حضرت امام جعفر صاق علیہ السلام سے آیا ہے کہ شب قدر اکیسویں یا تیئسویں رات ہے، یہاں تک کہ جب راوی نے اصرار کیا کہ ان دونوں راتوں میں سے کون سی رات ہے اور یہ کہا کہ اگر میں ان دونوں راتوں میں عبادت نہ کرسکوں تو پھر کون سی رات کا انتخاب کروں" تو بھی امام نے تعیین نہ فرمائی اورمزید کہا "ما ایسر لیلتین فیما تطلب "اس چیز کے لیے جسے تو چاہتا ہے دوراتیں کس قدر آسان ہیں؟ (تفسیر نورالثقلین جلد۵ ص۶۲۵ حدیث ۵۸)

لیکن متعدد روایات میں جو اہل بیت کے طریقہ سے پہنچی ہیں زیادہ تر تیئسویں رات پر تکیہ ہوا ہے۔جبکہ اہل سنت کی زیادہ تر روایات ستائیسویں رات کے گرد گردش کرتی ہیں۔

ایک روایت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ بھی نقل ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا:

"التقدیر فی لیلۃ القدر تسعۃ عشر، و الابرام فی لیلۃ احدی و عشرین، و الامضاء فی لیلۃ ثلاث و عشرین"

"تقدیر مقدرات تو انیسوں کی شب کو ہوتی ہے، اوران کا حکم اکیسویں رات کو، اور ان کی تصدیق اور منظوری تیئسویں رات کو" (تفسیر نورالثقلین جلد۵ ص۶۲۶ حدیث ۶۲)

اوراس طرح سے روایات کے درمیان جمع ہوجاتی ہے۔لیکن بہر حال، اس وجہ کی بناء پر جس کی طرف بعد میں اشارہ ہوگا، شب قدر کو ابہام کے ایک ہالے نے گھیر رکھا ہے۔

شب قدر مخفی کیوں رکھی گئی؟

بہت سے علماء کا نظریہ یہ ہے کہ سال بھر کی راتوں یا ماہ مبارک رمضان کی راتوں میں شب قدر کا مخفی ہونا اس بناء پر ہے کہ لوگ ان سب راتوں کو اہمیت دیں۔جیسا کہ خدا نے اپنی رضاوخوشنودی کی مختلف قسم کی عبادتوں میں پنہاں کر رکھا ہے تا کہ لوگ سب عبادتوں اوراطاعتوں کی طرف رخ کریں۔اوراپنے غضب کو معاصی کے درمیان پنہاں رکھا ہے، تا کہ سب لوگ گناہوں سے پرہیز کریں، اپنے دوستوں کو لوگوں سے مخفی رکھا ہے تا کہ سب کا احترام کریں، اوردعاؤں کی قبولیت کو مختلف دعاؤں میں پنہاں رکھا ہے تا کہ دعاؤں کی طرف رخ کریں۔

اسم اعظم کو اپنے اسماء میں مخفی رکھا ہے تا کہ تمام اسماء کو بزرگ وعظیم سمجھیں۔اور موت کے وقت کو مخفی رکھا ہے تا کہ ہر حالت میں آمادہ وتیار رہیں۔اور یہ فلسفہ مناسب نظر آتا ہے۔

کیا گزشتہ امتوں میں بھی شب قدر تھی؟

اس سورہ کی آیات کے ظاہر سے اس بات کی نشان دہی ہوتی ہے کہ شب قدر نزول قرآن اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں تھی بلکہ دنیا کے اختتام تک اس کا ہر سال تکرار ہوتا رہے گا۔

فعل مضارع (تنزل) کی تعبیر، جو استمرار پر دلالت کرتی ہے، اوراسی طرح جملہ اسمیہ "سلام ھی حتی مطلع الفجر" کی تعبیر بھی، جو دوام کی نشانی ہے، اسی معنی کی گواہ ہے۔

اس کے علاوہ بہت سی روایات بھی، جو شاید حد تواتر میں ہیں، اس معنی کی تائید کرتی ہیں۔لیکن یہ بات کہ کیا گزشتہ امتوں میں بھی تھی یا نہیں؟ متعدد روایات کی تصریح یہ ہے کہ یہ امت پر مواہب الٰہیہ میں سے ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں پیغمبراسلام سے آیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا "انّ اللہ وھب لامتی لیلۃ القدر لم یعطھا من کان قبلھم ""خدا نے میری امت کو شب قدر عطا کی ہے، گزشتہ امتوں میں سے کسی کو بھی یہ نعمت نہیں ملی تھی" (درالمنثور ج۶ ص۳۷۱)

اوپر والی آیات کی تفسیر میں بعض وارد شدہ روایات اس مطلب پر دلالت کرتی ہیں۔

شب قدر ہزار ماہ سے کیسے برتر ہے؟

ظاہر ہے کہ اس شب کا ہزار ماہ سے بہتر ہونا اس رات کو بیدار رہنے اور اس کی عبادت کی قدر و قیمت کی وجہ سے ہے، اور لیلۃ القدر کی فضیلت اور اس میں عبادت کی فضیلت کی روایات، جو شیعہ اور اہل سنت کی کتابوں میں فراوان ہیں، اس مطلب کی مکمل طور پر تائید کرتی ہیں۔

اس کے علاوہ اس رات میں قرآن کا نزول اور اس میں برکات اور رحمت الٰہی کا نزول بھی اس بات کا سبب ہے کہ یہ ہزار ماہ سے برتر و بالاتر ہو۔

ایک حدیث میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپ نے "علی بن ابی حمزہ ثمالی" سے فرمایا: شب قدر کی فضیلت کو اکیسویں اور تیئسویں رات میں تلاش کرو، اور ان دونوں راتوں میں سے ہر ایک میں ایک سو رکعت نماز بجالاؤ۔ اور اگر تم سے ہو سکے تو ان دونوں راتوں کا طلوع صبح تک احیاء کرو، اور اس رات غسل کرو"۔ "ابوحمزہ" کہتا ہے: میں نے عرض کیا "اگر میں کھڑے ہو کر یہ سب نمازیں نہ پڑھ سکوں"۔

آپ نے فرمایا: پھر بیٹھ کر پڑھ لو۔ میں نے عرض کیا اگر اس طرح بھی نہ پڑھ سکوں۔ آپ نے فرمایا: پھر بستر میں (لیٹ کر) پڑھ لو، اور رات کے پہلے حصہ میں تھوڑا سا سو لینے میں بھی کوئی امر مانع نہیں ہے، اور اس کے بعد عبادت میں مشغول ہو جاؤ۔ ماہ رمضان میں آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور شیاطین طوق و زنجیر میں جکڑے ہوئے ہوتے ہیں اور مومنین کے اعمال مقبول ہوتے ہیں، ماہ رمضان کتنا اچھا مہینہ ہے۔

قرآن شب قدر میں کیوں نازل ہوا؟

کیونکہ شب قدر میں ایک سال کے لیے انسانوں کی سرنوشت ان کی قابلیتوں اور صلاحیتوں کے مطابق مقدر کی جاتی ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ انسان اس رات بیدار رہے۔ اور توبہ اور اپنے آپ کو بہتر بنانے کی کوشش کرے اور خدا کی بارگاہ میں حاضر ہو کر خود میں اس کی رحمت کے لیے زیادہ سے زیادہ اور بہتر سے بہتر لیاقت پیدا کرے۔

ہاں! جن لحات میں ہماری سرنوشت کی تعین ہوتی ہے ان میں انسان کو سویا ہوا نہیں ہونا چاہیے، اور نہ ہی ہر چیز سے غافل اور بے خبر رہنا چاہیے کیونکہ اس صورت میں ایک غم ناک سرنوشت ہو جائے گی۔

قرآن چونکہ ایک سرنوشت ساز کتاب ہے، اور اس میں انسانوں کی سعادت و خوش بختی اور ہدایت کی باتوں کی وضاحت کی گئی ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ سرنوشتوں کی تعین کا پروگرام شب قدر میں نازل ہو۔ قرآن اور شب قدر کے درمیان کتنا خوبصورت رابطہ ہے، اور ان دونوں کا ایک دوسرے سے تعلق اور رشتہ کس قدر پر معنی ہے؟

کیا مختلف علاقوں میں ایک ہی شب قدر ہوتی ہے؟

ہم جانتے ہیں کہ تمام شہروں میں قمری مہینوں کا آغاز یکساں نہیں ہوتا اور یہ ممکن ہے کہ ایک علاقہ میں تو آج اول ماہ ہو، اور دوسرے علاقہ میں دوسری تاریخ ہو۔ اس بناء پر شب قدر سال میں ایک معین رات نہیں ہو سکتی۔ اس طرح اصولی طور پر ہر ایک کی علیحدہ شب قدر ہوگی۔ کیا یہ بات اس چیز سے، جو آیات و روایات سے معلوم ہوتی ہے، کہ شب قدر ایک معین رات ہے، سازگار ہے؟!

اس سوال کا جواب ایک نکتہ کی طرف توجہ کرنے سے واضح ہو جاتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ رات وہی کرۂ زمین کے آدھے سایہ کو ہی کہتے ہیں، جو کرۂ زمین کے دوسرے حصہ پر پڑتا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ یہ سایہ گردش زمین کے ساتھ حرکت میں ہے، اور اس کا ایک مکمل دورہ چوبیس گھنٹوں میں انجام پاتا ہے، اس بناء پر ممکن ہے کہ شب قدر رات کا زمین کے گرد ایک مکمل دورہ ہو۔ یعنی تاریکی کی چوبیس گھنٹے کی مدت جو زمین کے تمام نقاط کو اپنے سائے کے نیچے لے لے، وہ شب قدر ہے، جس کا آغاز ایک نقطے سے ہوتا ہے اور دوسرے نقطہ میں اختتام پذیر ہوتا ہے۔

خداوندا! ہمیں اس قسم کی بیداری و آگاہی عطا فرما کہ لیلۃ القدر کی فضیلت سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں۔

پروردگارا! ہماری چشم امید تیرے لطف و کرم پر لگی ہوئی ہے، ہمارے مقدرات کو اس کے موافق معین فرما۔

بارالٰہا! ہمیں اس مہینہ کے محرومین میں سے قرار نہ دے کہ جس سے بالاتر کوئی محرومیت نہیں ہے۔

تاریخ نزول قرآن

انتخاب وپیشکش ۔۔۔۔ امۃ المہدی

اس بارے علما اسلام ومفسرین قرآن مختلف آراء رکھتے ہیں ذیل میں ہم ان آراء کا مختصراً تذکرہ کریں گے اور ساتھ ساتھ اس سلسلہ میں اپنا نظریہ بھی بیان کریں گے۔

پہلی رائے

بعض علماء مفسرین اس بات کے معتقد ہیں کہ قرآن ایک ہی وقت میں پورا کا پورا "لیلۃ القدر" میں نازل ہوا اپنے اس نظریہ کے ثبوت میں وہ درج ذیل آیات قرآنی سے استدلال کرتے ہیں

"انا انزلناہ فی لیلۃ القدر" (قدر، ۱) "ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل کیا"۔

"حٰم . والکتب المبین . انا انزلناہ فی لیلۃ مبرکۃ انا کنا منذرین"

(دخان ۱تا۳)

"حم واضح وروشن کتاب (قرآن) کی قسم ہم نے اس کو مبارک رات (شب قدر) میں نازل کیا ہے بے شک ہم عذاب سے ڈرانے والے تھے"۔

"شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن" (بقرہ ۱۸۵)

"رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا"۔

یہ آیت تین مطالب کی طرف اشارہ کرتی ہے:

۱) عربی لغت میں لفظ "انزلنا" نزول دفعی کیلئے مستعمل ہے، یعنی کسی چیز کا دفعۃً نازل ہونا یا ایک بار میں نازل ہونا۔ مذکورہ آیات میں قرآن کے نزول کیلئے "انزلنا" کا لفظ استعمال ہوا ہے اس طرح یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ قرآن یکبارگی نازل ہوا۔

۲) یہ آیات قرآن کے ماہ مبارک رمضان میں نزول کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

۳) یہ آیات اس بات کی طرف صراحتاً اشارہ کرتی ہیں کہ قرآن کریم رمضان المبارک کی ایک رات میں نازل ہوا جو لیلۃ القدر کے نام سے موسوم ہے۔

دوسری رائے

علمائے اسلام کا ایک گروہ اس بات کا معتقد ہے کہ قرآن کریم بتدریج نازل ہوا اور ۲۳ سال کی مدت میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔ اپنے اس نظریئے کے مبنی برصداقت ہونے پر یہ گروہ درج ذیل آیت قرآن سے استدلال کرتا ہے:

"وَقُرْآنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا"

(بنی اسرائیل ۱۰۶)

"اور ہم نے قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے اس لئے نازل کیا ہے تا کہ تم ٹھہر ٹھہر کر اسے لوگوں کو سناؤ اور اسے ہم نے موقع موقع پر بتدریج اتارا ہے"۔

تیسری رائے

اس رائے کے حامل علماء اسلام نے مذکورہ بالا دونوں نظریات کو یکجا کرنے کی کوشش کی اور ان آیات قرآنی کی جو یہ بتاتی ہیں کہ قرآن کا نزول شب قدر میں ہوا یہ توجیہ کی کہ قرآن کے نزول کی ابتدا شب قدر میں ہوئی اور باقی سارے کا سارا قرآن تدریجاً ۲۳ سال کی مدت میں پیغمبر اسلام پر نازل ہوا۔

یہ نظریہ اس لئے قابل قبول نہیں کیوں کہ اکثر علماء اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ پیغمبر اسلام ۲۷ رجب المرجب کو مبعوث بہ رسالت ہوئے پہلی وحی ۲۷ رجب ہی

کو سورہ علق کی صورت میں پیغمبر اکرمؐ پر نازل ہوئی۔

اس کے علاوہ قرآن مجید کے ماہ رمضان میں نزول پر جو آیت اشارہ کرتی ہے وہ پورے قرآن کے ماہ رمضان میں نزول پر اشارہ کرتی ہے نزول کی صرف ابتداء پر نہیں۔

"شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ "(بقرہ ۱۸۵)

"رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کیلئے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں"۔

چوتھی رائے

علماء اسلام کے اس گروہ کے مطابق قرآن مجید لیلۃ القدر میں یکبارگی بیت المعمور پر جو کہ آسمان چہارم پر واقع ہے نازل ہوا اور پھر وہاں سے آیات کی صورت میں وقتاً فوقتاً رسول اکرمؐ پر نازل ہو کر ۲۳ سال کی مدت میں تکمیل کو پہنچا۔

یہ دلیل بھی چند جہات سے قابل قبول نہیں:

۱) سوائے مذکورہ روایت کے کوئی محکم دلیل اس مدعا کی صداقت پر موجود نہیں۔

۲) اس طرح بیت المعمور پر قرآن کو نازل کرنے کا کوئی فلسفہ و حکمت نظر نہیں آتی۔

یہاں اگر بیت المعمور سے مراد قلب مطہر حضرت محمدؐ کیا جائے تو بات درست معلوم ہوتی ہے جیسا کہ شیخ صدوقؒ اپنی کتاب "اعتقادیہ" میں اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں

"ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ماہ رمضان کی شب قدر میں قرآن بیت المعمور میں نازل ہوا پھر بیت المعمور سے تیئیس سال کی مدت میں نازل ہوا اور خداوند عالم نے اپنے نبیؐ کو قرآن کا مجمل علم عطا فرمایا تھا پھر خدا نے جناب رسالتمآبؐ سے خطاب کیا (اے ہمارے رسولؐ) تم قرآن کے پڑھنے میں اس سے پہلے کہ وحی پوری ہو جائے جلدی نہ کیا کرو"۔ شیخ صدوقؒ کے اس بیان سے تین نکات سامنے آتے ہیں:

۱) ایک یہ کہ قرآن بیت المعمور پر ایک دفعہ میں نازل ہوا۔

۲) دوسرا یہ کہ بیت المعمور سے ۲۳ سال کی مدت میں آہستہ آہستہ نازل ہوا۔

۳) تیسرا نکتہ یہ کہ خداوند عالم نے رسول اکرمؐ کو علم قرآن عطا فرمایا۔

ان نکات کے مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہاں بیت المعمور سے مراد قلب رسول اکرمؐ ہے کیونکہ جیسا کہ شیخ صدوقؒ فرماتے ہیں کہ

"قرآن بیت المعمور پر نازل ہوا پھر ۲۳ سال کی مدت میں آہستہ آہستہ امت کیلئے نازل ہوا"۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس دوران میں رسولؐ کو علم قرآن کس وقت عطا ہوا جبکہ رسولؐ کے جملہ علم قرآن کو اس سے قبل جاننے پر وہ آیات قرآنی بھی دلالت کرتی ہیں جن میں خداوند عالم رسولؐ کو قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کی تاکید فرماتا ہے۔

۳) بعض مواقع پر خداوند عالم نے پیغمبر اسلامؐ کو آیات الٰہی کی تلاوت سے وقتی طور پر روکا ہے۔

"فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا "(طٰہٰ ۱۱۴)

"اور (اے رسولؐ) قرآن (کے پڑھنے) میں اس سے پہلے کہ تم پر اس کی وحی پوری کر دی جائے جلدی نہ کرو اور دعا کرو کہ اے میرے پالنے والے میرے علم کو اور زیادہ فرما"۔

اس طرح آیات الٰہی کی تلاوت سے روکنا اس بات کی دلیل ہے کہ پیغمبرؐ آیات الٰہی سے پہلے سے واقف تھے۔

۴) خود قرآن کریم کی متعدد آیات ایسی ہیں جن میں خداوند عالم نے قرآن کریم کے دو مرتبہ نزول کی طرف اشارہ کیا ہے۔

"الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ "(ہود ۱)

"یہ قرآن وہ کتاب ہے جس کی آیات ایک واقف کار حکیم کی طرف سے (دلائل سے) خوب مستحکم کر دی گئیں پھر تفصیل وار بیان کر دی گئی ہیں"۔

"وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ "(اعراف ۵۲)

"حالانکہ ہم نے انکے پاس (رسولؐ کی معرفت) کتاب بھی بھیج دی جسے ہر طرح سمجھ بوجھ کے تفصیل وار بیان کر دیا ہے اور (وہ) ایماندار لوگوں کیلئے ہدایت و

رحمت ہے"۔

ان آیات قرآنی سے واضح ہے کہ قرآن اپنے نزول میں دو مراحل سے گزرا ہے۔ایک مرتبہ خلاصہ اور نچوڑ کی صورت میں صرف قلب پیغمبرؐ پر اس کا نزول ہوا ہے جو عام لوگوں کی عقل وفہم سے بالاتر تھا۔اور دوسری مرتبہ قرآن کریم عام لوگوں کی عقل وفہم کے مطابق تفصیل توضیح اور تشریح کے ساتھ نازل ہوا ہمارے اس موقف کی صداقت پر دلیل وہ آیات قرآنی بھی ہیں جن میں خداوند عالم انسانوں کیلئے قرآن کو عام فہم اور آسان بنا کر پیش کرنے پر احسان جتاتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے

"انا انزلناہ قرآناً عربیاً لعلکم تعقلون "(یوسف۲)

"ہم نے اس قرآن کو عربی میں نازل کیا ہے تا کہ تم سمجھو"۔

"قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا غَیْرَ ذِیْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ "(زمر۲۸)

"ایسا قرآن جو عربی میں ہے جس کے بیان میں کوئی کجی نہیں"۔

ان آیات میں "عربی" سے مراد عربی زبان نہیں کیونکہ اس صورت میں یہ احسان صرف عربی بولنے والی اقوام پر ہوتا بلکہ یہاں عربی سے مراد واضح وروشن کے ہیں۔

متعدد ایسی آیات قرآنی بھی ہیں جن میں خداوند عالم لوگوں کو قرآن میں غور وفکر کی دعوت دیتا ہے۔ظاہر ہے یہ آیات انسانی فہم وشعور کی سطح سے باہر نہیں اسی لئے قرآن ان میں غور وفکر اور تدبر وتفکر کی دعوت دیتا ہے۔

اس طرح یہ بات ظاہر ہے کہ خداوند عالم نے قرآن کریم کو عام لوگوں کی سمجھ بوجھ کے مطابق نازل کیا ہے۔یہاں یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ عالمی صیہونزم نے مسلمانوں کے روپ میں وارد ہو کر مسلمانوں کو یہ باور کرانا چاہا ہے کہ قرآن کریم ایک ایسی کتاب ہے کہ جس کی سمجھ اور فہم ناممکن ہے۔

اپنے اس مذموم پروپیگنڈے سے ایک طرف تو یہ عناصر آیات قرآنی کی تکذیب کرتے ہیں اور دوسری طرف مسلمانوں کو علوم قرآن سے دور رکھتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ قرآن کریم کا نزول دو مرتبہ عمل میں آیا۔ایک مرتبہ رمضان المبارک کی شب قدر میں خلاصہ اور نچوڑ کی صورت میں پیغمبر اسلامؐ کے قلب مطہر پر۔یہاں یہ بات واضح نہیں کہ یہ ماہ رمضان بعثت سے قبل کا ماہ رمضان تھا یا بعثت کے بعد کا۔بہر حال متعدد آیات قرآنی دلیل ہیں اس بات پر کہ قرآن کریم ایک مرتبہ حضورؐ کے قلب مطہر پر خلاصہ اور نچوڑ کی صورت میں نازل ہوا۔قرآن کا دوسرا نزول تفصیل وتوضیح کے ساتھ بتدریج ۲۳ سال کی مدت میں عمل میں آیا اور بعض مفسرین کی توجیہ جو قرآن کے ایک مرتبہ نزول کے متعلق کرتے ہیں درست نہیں۔

حکمتِ دو نزولی

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم کا دوسری کتب آسمانی کے برعکس دو مرتبہ میں نزول کیا حکمت وفلسفہ رکھتا ہے؟ ہم یہاں دو نزولی کے فلسفہ وحکمت کی تشریح وتوضیح کیلئے شہید رابع محمد باقر الصدر کے افکار سے مدد لیتے ہیں۔

شہید صدر فرماتے ہیں "قرآن کریم انسانیت کی تہذیب وتربیت،غرض خلقت اور ہدف خلقت جو سیر الٰہی ہے کیلئے نازل ہوا قرآن بذاتِ خود صامت ہے ناطق نہیں اسی وجہ سے ایک جاہل وگمراہ شخص کے سامنے واضح شکل میں ظاہر نہیں ہوتا لہٰذا اس کی وضاحت کیلئے ایک امام وقائد کی ضرورت ہے جو علم وعصمت سے مسلح ہو کر انسانوں کی سیر الٰہی کی جانب قیادت کرے لہٰذا قرآن کریم پیغمبر اکرمؐ سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے

"وہی ہے جس نے امتیوں میں سے ایک رسولؐ خود انہیں میں سے اٹھایا جو انہیں اس کی آیات سناتا ہے۔ان کی زندگی سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے"(سورہ جمعہ)

شہید صدر فرماتے ہیں "درحقیقت یہ قرآن دو قسم کے انسانوں کی تہذیب وتربیت کیلئے نازل ہوا ہے،ایک قائد کیلئے اور دوسرے امت کیلئے"۔

قائد جو سالہا سال سے معاشرہ میں موجود برائیوں،فسق وفجور اور آلودگیوں سے پاک ومنزہ اور قلب پاکیزہ کے ساتھ ہر لحاظ سے آمادگی رکھتا تھا لہٰذا اس میں ایک ہی رات میں کل قرآن کے تحمل کی صلاحیت موجود تھی۔اس کی تربیت اور اس کو مستقبل میں پیش آنے والے حالات ومشکلات سے آگاہی اور ان کے تدارک کیلئے تیار کرنے کیلئے ضروری تھا کہ اسے راہ کی مشکلات اور ان کے حل کے سلسلے میں مکمل طور پر آگاہ رکھا جائے نیز امت کی تہذیب وتربیت کیلئے بھی ضروری تھا کہ پیغمبرؐ اپنے مقصد رسالت سے پیشگی عمیق آگاہی رکھتا ہو اور یہ اسی صورت میں

ممکن تھا کہ جب بعثت سے قبل پیغمبرؐ علم قرآن اور اس کے مقصد و مفہوم سے مکمل واقفیت اور آگاہی رکھتا ہو۔ قرآن کے تدریجی نزول کے فلسفہ کی وضاحت ہم ذیل کے نکات کے ذریعہ بھی کریں گے۔

۱) طبیعت رسالت قرآن یہ ہے کہ لوگوں پر اپنے افکار و نظریات کو زبردستی مسلط نہ کیا جائے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے "لا اکراہ فی الدین" دین میں جبر نہیں۔ نیز قرآن کریم پیغمبرؐ اسلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ " فذکر انما انت مذکر "، "تم نصیحت کرنے والے ہو تم ان پر مسلط نہیں کئے گئے" (غاشیہ ۲۱)

اسی طرح دیگر آیات قرآنی ظاہر کرتی ہیں کہ اسلام نظریات کو زبردستی ٹھونسنے کا قائل نہیں بلکہ رفتہ رفتہ اپنے پیغام کو لوگوں کی عقل و فہم کو مدنظر رکھ کر بیان کرنے کا قائل ہے نیز یہ نکتہ بھی توجہ طلب ہے کہ جو لوگ غور و فکر اور تدبر اور تفکر کے بعد نظریات قبول کرتے ہیں وہی راسخ العقیدہ اور اپنے نظریات پر ہمیشہ قائم رہنے والے ہوتے ہیں۔

۱) فطرت انسانی ہے کہ وہ بیک وقت نہ مزید تکلیف برداشت کرنے پر آمادہ ہوتا ہے اور نہ ہی اپنے قدیم رسم و رواج اور عادات و اطوار ترک کرنے پر تیار ہوتا ہے، خداوند عالم نے اسی انسانی فطرت کو مدنظر رکھ کر تدریجاً اپنے احکامات کا نفاذ کیا ہے جیسے تحریم ربا (سود) اور تحریم خمر (شراب) کی حرمت کو تین مراحل میں طے کیا

۱) اگر قرآن کریم یکبارگی نازل ہوتا تو اس میں موجود بہت سی آیات (نعوذ باللہ) لغو اور حقیقت سے خالی محسوس ہوتیں کیونکہ قرآن میں مذکورہ متعدد واقعات حضرت محمدؐ کی بعثت کے بعد وقوع پذیر ہوئے۔

جو باتیں ابھی خارج میں وقوع پذیر نہ ہوئی ہوں انکے بارے میں آیات قرآنی کا نزول خلاف حقیقت معلوم ہوتا ہے مثلاً

"واذا تقول للذی انعم اللہ علیہ ......امر اللہ مفعولا" (احزاب ۳۷)

"اے نبی یاد کرو وہ موقع جب تم اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے اور تم نے احسان کیا تھا کہ اپنی بیوی کو نہ چھوڑو اور اللہ سے ڈر، اس وقت تم اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ کھولنا چاہتا تھا تم لوگوں سے ڈر رہے تھے، حالانکہ اللہ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو۔ پھر جب زید اس سے اپنی حاجت پوری کر چکا تو ہم نے اس (مطلقہ خاتون) کا تم سے نکاح کر دیا تاکہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملے میں کوئی تنگی نہ رہے جبکہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں"۔

اگر قرآن یکبارگی نازل ہوتا تو کیا اس جیسی آیات قرآنی حقیقت سے خالی نظر نہ آئیں؟

۱) قرآن کا مخاطب تمام عالم انسانیت ہے اور ان انسانوں میں مومن اور کافر بھی شامل ہیں۔

قرآنی احکامات پر عمل اور ان کی تبلیغ میں مومنین ہزارہا مصائب و مشکلات کا شکار ہوتے تھے ایسے موقع پر ان کی حوصلہ افزائی کیلئے ضروری تھا کہ ان پر بار بار تائید ربانی کا اظہار ہو اور انھیں بار بار یہ باور کرایا جائے کہ ایک لازوال قوت تمہاری پشت پناہ ہے قرآن کا بتدریج اور آہستہ آہستہ نزول مومنین کی قوت عمل میں اضافہ کا باعث تھا۔ اس طرح مومنین اپنے آپ کو ایک لازوال قوت سے مربوط سمجھتے تھے اسکے مقابلہ میں مومنین کیلئے تائید ربانی کا یہ بار بار مظاہرہ کفار پر نہایت گراں گزرتا تھا۔ نیز منافقین بھی ہر لحظہ خوفزدہ رہتے تھے کہ کہیں خداوند عالم ان کے کرتوتوں کی پردہ کشائی نہ کر دے۔

۱) خداوند عالم نے صحف حضرت ابراہیمؑ کو رمضان المبارک کے مہینے میں یکبارگی نازل کیا۔ تورات کو ششم رمضان، انجیل کو رمضان کی تیرہویں شب میں اور زبور کو اٹھارہ رمضان المبارک کو یکبارگی نازل کیا۔

✿✿.....✿.....✿✿

(بقیہ......روزہ کے طبی فوائد)

روزہ ان کے جسم میں خون کے سرخ ذرات کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ کا سبب بنتا ہے کھانے اور پینے کے معاملات میں اعتدال سے انسان رمضان المبارک کا مہینہ اچھی صحت کے اثرات انسان کے جسم پر رہتے ہیں اس طرح رمضان المبارک کا مقدس مہینہ مسلمانوں کیلئے روحانی اور جسمانی اصلاح کا سالانہ کورس ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو روزہ کی برکتوں کا فیض حاصل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے (آمین) ✿✿.....✿.....✿✿

فتح مکہ

صفدر حسین ڈوگر کربلائی

قریش کی عہد شکنی

روانگی کی تاریخ ۱۰ رمضان ۸ھ۔ فتح کی تاریخ ۱۹ رمضان ۸ھ

حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس فکر میں تھے کہ مکہ یہ خانہ توحید جو مشرکین کے گھیرے میں ہے اس کو آزاد کرا دیں۔ لیکن اس سے صلح حدیبیہ مانع تھی۔ مسلمان نہیں چاہتے تھے کہ اس معاہدہ کو کچل کر مکہ فتح کریں جس کی رعایت کیلئے انہوں نے اپنے کو پابند بنایا تھا۔ لیکن جب کسی امت کا وقت قریب آتا ہے اور مہلت کی مدت ختم ہو جاتی ہے تو الٰہی قانون کے مطابق ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ ایک قوم یا گروہ کا خاتمہ ہو جائے اور ان کے مدمقابل کیلئے کامیابی کا راستہ کھل جائے۔

موتہ کی جنگ اس بات کا سبب بنی کہ قریش مسلمانوں کو کمزور سمجھنے لگے اور صلح حدیبیہ کا معاہدہ توڑنے کی سوچنے لگے اس لئے کہ جب رومیوں کے مقابلہ سے مسلمانوں کے بیٹھ رہنے کی خبر مکہ میں پہنچی تو قریش نے اس کو لشکر اسلام کی کمزوری پر محمول کیا اور مسلمانوں کے ہم پیمان اور ہمر قبیلوں پر ان کی جرأت بڑھ گئی۔

صلح حدیبیہ کے معاہدہ کے مطابق کوئی بھی قبیلہ دونوں گروہوں، قریش یا مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کرسکتا تھا۔ خزاعہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور بنی بکر نے قریش سے معاہدہ کیا۔ ۸ ہجری میں خزاعہ اور بنی بکر کے درمیان جھگڑا ہوا قریش نے اس حملہ میں خزاعہ کے خلاف بنی بکر کی خفیہ طریقہ سے مدد کی، چہرہ پر نقاب ڈال کر ان کے ساتھ مل کر حملہ کیا۔

پیغمبرؐ کے حکم سے لشکر تیار ہوا اور اس کی سپہ سالاری عمرو بن عاص کے سپرد ہوئی۔ کیونکہ ان کی بڑی ماں قبیلہ بلی سے تھیں رسولؐ خدا نے چاہا کہ عمر عاص کو سپہ سالاری دے کر اس گروہ کے قلب کو اسلام کی طرف مائل کیا جائے عمرو بن عاص دن میں کمین گاہ میں چھپے رہتے اور راتوں کو سفر کرتے جس وقت دشمن کے قریب پہنچے تو پتہ چلا کہ دشمن کی تعداد زیادہ ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوعبیدہ جراح کو دو سو افراد کے لشکر کے ایک دستہ کے ساتھ ان کی مدد کیلئے بھیجا عمرو بن عاص کے لشکر نے ابوعبیدہ کے امدادی لشکر کے ساتھ قبائل بلی، عذرہ اور بلقین کے تمام رہائشی علاقہ کا دورہ کیا لیکن دشمن پہلے ہی آگاہ ہوکر اس علاقہ سے بھاگ چکے تھے۔ صرف آخری مقام پر لشکر اسلام اور لشکر کفر کے درمیان ایک گھنٹہ تک ٹکراؤ ہوا جس میں ایک مسلمان زخمی ہوا اور دشمن شکست کھا کر فرار کر گیا (مغازی واقدی جلد ۲ ص ۷۷۹۔۷۷۲، تاریخ طبری ج ۳ ص ۳۲۔۳۳ ملخص)

(شیعہ مدارک میں یہ واقعہ یوں درج ہے۔ رسولؐ خدا نے صحابہ میں سے تین افراد ابوبکر، عمر اور عمرو بن عاص) کو اس سریہ کا امیر مقرر فرمایا۔ لیکن وہ لوگ جنگی کامیابی حاصل نہ کر سکے اس لئے آنحضرت نے چوتھی بار حضرت علی علیہ السلام کو امیر بنا کر لشکر کے ساتھ روانہ فرمایا اور آنحضرت نے علی علیہ السلام اور سپاہیوں کو مسجد احزاب تک رخصت کیا۔

حضرت علی علیہ السلام صبح سویرے دشمن پر حملہ آور ہوئے، دشمن ایک گروہ کثیر کے ساتھ حملہ روکنے کیلئے آگئے۔ لیکن علی علیہ السلام کی بے امان جنگ و پیکار نے دشمن کے دفاعی حملہ کو ناکام بنا دیا اور دشمن کو شکست دینے کے بعد علی علیہ السلام کامیاب و سرفراز ہو کر مال غنیمت اور اسیران جنگ کے ساتھ رسولؐ کی خدمت میں پلٹے پروردگار قہار سورہ والعادیات میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتا ہے

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم والعادیات ضبحا فالموریات قدحا فالمغیرات صبحا فاثرن بہ نقعا فوسطن بہ جمعا"

قسم ہے ان گھوڑوں کی جو ہتھنوں پر پتھر پر ٹاپ مار کر چنگاریاں نکالتے ہیں پھر صبح دم حملے کرتے ہیں (کفار کے دیار میں وہ) گرد و غبار بلند کرتے ہیں اور دشمن کے دل میں گھس جاتے ہیں (ارشاد شیخ مفید ص ۸۹۔۹۰ مجمع البیان ج ۱۰ ص ۵۲۸ بحار الانوار ج ۲۱ ص ۷۶۔۷۷ مناقب ابن شہر آشوب ج ۳ ص ۱۴۰۔۱۴۲)

رسولؐ خدا جعفرؑ ابن ابی طالبؑ کے سوگ میں

مسلمان خصوصاً جعفرؑ کی موت سے رسولؐ خدا بے حد غمگین تھے، جعفرؑ کے شہید ہونے کی وجہ سے آپؐ شدت کے ساتھ گریہ کر رہے تھے جعفرؑ کے گھر والوں کی تسلی کیلئے ان کے گھر تشریف لے گئے اور وہاں آپ نے فرمایا کہ

"میرے بچے عون و محمد و عبداللہ کہاں ہیں؟"

جناب جعفرؑ کی بیوی "اسماء" جعفرؑ کے بیٹوں کو رسولؐ خدا کی خدمت میں لائیں۔ آنحضرتؐ نے شہید کے بچوں کو پیار کیا، گلے لگایا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو نکل کر داڑھی پر بہنے لگے۔ جعفرؑ کی بیوی نے پوچھا

"اے اللہ کے رسولؐ میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں۔ آپؐ میرے بچوں پر اس طرح نوازشیں کر رہے ہیں جیسے کسی یتیم پر ہوتی ہیں گویا ان کے باپ اس دنیا میں نہیں رہے؟"

رسولؐ خدا نے فرمایا: ہاں وہ قتل کر دیے گئے۔ پھر فرمایا

اے اسماء ایسا نہ ہو کہ تم اپنی زبان سے کوئی ناروا بات نکالو اور سینہ کوبی کرو میں تم کو خوشخبری سناتا ہوں، خدا نے جعفرؑ کو دو پر عنایت کئے ہیں جن سے وہ بہشت میں پرواز کرتے ہیں (بحار الانوار ج ۲۱ ص ۵۶۔۵۷)

جنگ ذات السلاسل

جمادی الثانی ۸ ہجری قمری میں

رسولؐ خدا کو یہ اطلاع ملی کہ قبائل "بلی" اور "قضاعہ" کے کچھ لوگ جمع ہو گئے ہیں اور مدینہ پر یلغار کرنے کے لیے عمرو ابن خزاعہ کو رسول خدا کی خدمت میں بھیجا وہ مدینہ میں وارد ہوا اور سیدھے مسجد کی طرف پہنچا اور لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر اس نے مخصوص انداز سے ایسے دردناک اشعار پڑھے جو قبیلہ خزاعہ کے استغاثہ اور مظلومیت کی حکایت کر رہے تھے۔ آپ کا جو معاہدہ خزاعہ سے تھا اس کے واسطے سے پیغمبر کو اس نے قسم دلائی اور ان سے فریاد رسی کا طلبگار ہوا کچھ اشعار پڑھے جن کا مطلب یہ تھا۔

رسولؐ خدا آدھی رات کو ہم جب "وتیرہ" کے کنارے تھے اور ہم میں سے کچھ لوگ رکوع و سجود میں تھے تو مشرکین نے ہم پر حملہ کر دیا۔ دراں حالانکہ ہم مسلمان تھے انہوں نے ہمارا قتل عام کیا (سیرت ابن ہشام ج ۴ ص ۳۹)

عمرو کے جاں گداز اشعار سے رسولؐ خدا کا دل درد سے تڑپ اٹھا لہٰذا آپؐ نے فرمایا "اے عمرو ہم تمہاری مدد کریں گے۔"

لشکر اسلام کی آمادگی

رسولؐ خدا نے روانگی کا مقصد بتائے بغیر لشکر اسلام کو آمادہ رہنے کا حکم دیا اور قریبی قبائل اور مدینہ والوں کو اس میں شریک کیا آپؐ نے مجموعی طور پر دس ہزار جانبازوں کو روانگی کے لیے آمادہ کر لیا کسی کو خبر نہیں تھی کہ واقعی اس آمادگی کا مقصد کیا ہے؟ اور لشکر کا آخری ہدف کہاں جا کر تمام ہوگا؟ اس لیے کہ کچھ لوگوں کا یہ خیال تھا کہ حدیبیہ کا معاہدہ ابھی تک باقی ہے۔

راستوں کو کنٹرول کرنے کے لیے چیک پوسٹ

رسولؐ خدا دشمن کو غافل رکھنے کے لیے نہایت خفیہ طریقہ سے قدم اٹھا رہے تھے اور بہت باریک بینی سے کام لے رہے تھے اس کام کے لیے آپؐ کے حکم سے مدینہ کے تمام راستوں پر پہرے بیٹھا دیے گئے تھے اور مشکوک افراد کی رفت و آمد پر کڑی نگاہ رکھی جا رہی تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قریش کے جاسوس لشکر اسلام کی روانگی سے آگاہ ہو جائیں۔

حضورؐ نے دعا کی خدایا! آنکھوں کو اور خبروں کو قریش سے پوشیدہ کر دے تا کہ ہم ان کے سروں پر اچانک ٹوٹ پڑیں (سیرت ابن ہشام ج ۴ ص ۳۹)

ایک جاسوس جال میں

سخت حفاظتی تدابیر کے باوجود، حاطب ابن ابی بلتعہ نامی ایک مسلمان نے اس لالچ میں آکر کہ اگر اس نے قریش کی کچھ خدمت کر دی تو اس کے وابستگان مکہ میں گزند سے محفوظ رہیں گے اور یہ سمجھ کر کہ رسولؐ خدا شاید مکہ کا ہی قصد رکھتے ہوں،

ایک خط قریش کو لکھا تا کہ ان کو خبر کر دے اور یہ خط اس نے سارہ نامی ایک عورت کے حوالہ کیا جو پہلے ایک گانے والی تھی اور کچھ پیسے بھی دیئے تا کہ وہ دوسرے راستوں سے مدینہ سے مکہ جائے اور یہ خط قریش کے سر کردہ افراد تک پہنچا دے۔

جبرئیل امین نے آ کر پیغمبرؐ کو یہ خبر پہنچا دی اور رسول خداؐ نے بلا تاخیر علی ابن ابی طالبؑ کو زبیر کے ساتھ اس عورت کو گرفتار کرنے کے لیے روانہ کیا وہ لوگ نہایت تیزی کے ساتھ مکہ کی طرف چلے اور راستہ میں مقام "خلیقہ" میں اس عورت کو گرفتار کر کے اس کے سامان کی تلاشی لی لیکن کوئی خط نہیں ملا، سارہ نے بھی کسی خط یا کسی خبر کے اپنے ساتھ رکھنے کا شدت سے انکار کیا۔ لیکن علیؑ نے بہ آواز بلند کہا کہ "خدا کی قسم پیغمبرؐ کبھی بھی غلط بات نہیں کہیں گے لہٰذا جتنی جلدی ہو سکے خط نکال دے ورنہ میں تجھ سے خط نکلوا لوں گا۔" عورت نے جب دھمکی کو یقینی سمجھا تو کہنے لگی "آپ لوگ ذرا دور ہٹ جائیں میں خط دے رہی ہوں اس وقت اس نے اپنے جوڑے میں سے ایک خط نکالا اور علی علیہ السلام کے حوالہ کر دیا۔

رسول خداؐ نے خط لکھنے والے کو طلب کیا اور اس سے پوچھ گچھ شروع کی اس نے خدا کی قسم کھائی اور کہا کہ اس کے ایمان میں کسی طرح کی تبدیلی نہیں ہوئی ہے لیکن چونکہ میری بیوی بچے مشرکین قریش کے ہاتھوں میں اسیر ہیں، اس لیے میں نے چاہا کہ اس خبر کے ذریعہ میرے گھر والوں کی تکلیف میں کچھ کمی ہو جائے (سیرت ابن ہشام ج۴ ص۴۰ ـ ۴۱)

ایسا واقعہ پھر نہ دہرایا جائے اس غرض سے چند آیتیں نازل ہوئیں ایک آیت میں اشارہ ہوتا ہے

"اے ایمان والو! میرے دشمن اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ اور ان کے ساتھ محبت اور دوستی نہ جتاؤ" (ممتحنہ ۱)

پیغمبرؐ نے اس کی جاہلانہ خطا کو معاف کر دیا اور اس کی توبہ قبول کر لی۔

مکہ کی جانب

کہاں جانا ہے؟ اور کس مقصد سے جانا ہے؟ یہ تو معلوم نہ تھا اس کے علاوہ حکم صادر ہونے کے وقت تک یہ بھی معلوم نہ تھا کہ کس وقت جانا ہے۔ رمضان کی دسویں تاریخ ۸ ہجری کو روانگی کا حکم صادر ہوا۔

رسول خداؐ نے مدینہ کے باہر لشکر اسلام کا معائنہ کیا پھر آپؐ نے روانگی کا حکم دیا اور مدینہ سے تھوڑے سے فاصلہ (حدود خمس) پر پانی مانگ کر اپنا روزہ افطار کیا اور سب کو حکم دیا کہ اپنا روزہ افطار کر لیں۔ بہت سے لوگوں نے افطار کر لیا لیکن ایک گروہ نے یہ سوچا کہ اگر روزہ کی حالت میں جہاد کریں تو اس کا زیادہ اجر ملے گا۔ رسول اللہؐ اس گروہ کی حکم عدولی سے ناراض ہوئے اور فرمایا کہ یہ لوگ گنہگار اور سرکش ہیں (مغازی واقدی ج۲ ص۸۰۲)

لشکر اسلام بغیر کسی توقف کے تیزی سے بڑھتا رہا۔ دس ہزار جانبازوں نے مدینہ سے مکہ کا راستہ ایک ہفتہ میں طے کیا اور رات کے وقت مکہ سے ۲۲ کلومیٹر شمال کی جانب "مرالظہران" پہنچ کر وہیں خیمہ زن ہو گیا (سیرت ابن ہشام ج۴ ص۴۲)

دشمن کو ڈرانے کے لیے جنگی مشق

پیغمبرؐ نے "مرالظہران" میں حکم دیا کہ دس ہزار کا لشکر پورے میدان میں بکھر جائے اور ہر آدمی آگ جلائے تا کہ لشکر اسلام کی عظمت نمایاں ہو اور مشرکین قریش کے دل میں زیادہ سے زیادہ خوف پیدا ہو جائے اور وہ سمجھ لیں کہ اب اس عظیم لشکر سے مقابلہ کی طاقت ان میں نہیں ہے اور ہر طرح کے مقابلہ سے ناامید ہو جائیں، تا کہ مکہ بغیر کسی خونریزی کے فتح ہو جائے اور حرمت خانہ خدا محفوظ رہ جائے۔

رات کے اندھیرے میں آگ کے شعلے لپک رہے تھے۔ صحرا آگ کا ایک وسیع و عریض جنگل نظر آ رہا تھا۔ لشکر اسلام کے ہمہمہ کی آواز دشت میں گونج رہی تھی۔

"ابوسفیان، حکیم ابن حزام" اور بدیل ابن ورقاء دیکھنے اور پتہ لگانے کے لیے مکہ سے باہر نکلے (مغازی واقدی ج۲ ص۸۱۴)

دوسری جانب عباس ابن عبدالمطلب جو مقام "جحفہ" سے پیغمبرؐ کے ہمرکاب تھے۔ انہوں نے اپنے دل میں سوچا کہ کیا ہی بہتر ہو اگر طرفین کے فائدہ کے لیے کام کیا جائے تا کہ خونریزی نہ ہو لہٰذا سفید گھوڑے پر سوار ہو کر مکہ کی طرف چلے کہ شاید کسی کے ذریعہ لشکر اسلام کے حملہ اور محاصرہ کی خبر قریش کے سربرآوردہ افراد کے کانوں تک پہنچا سکیں اور ان کو دلاوران اسلام کی عظیم طاقت اور بے پناہ جرأت و ہمت سے آگاہ کر کے ہر طرح کے مقابلہ کی بات سوچنے سے باز رکھیں۔

عباس نے رات کی تاریکی میں ابوسفیان کی آواز سنی وہ کہہ رہا تھا

"میں نے ابھی تک اتنی آگ اور اتنے سپاہی نہیں دیکھے"

ابوسفیان کا ساتھی کہہ رہا تھا

"یہ سب قبیلہ خزاعہ والے ہیں جو جنگ کے لیے جمع ہو گئے ہیں"

ابوسفیان نے کہا کہ "ایسی آگ روشن کرنا اور اس طرح لشکر تشکیل دینا خزاعہ کے بس کی بات نہیں ہے"

عباس نے ان کی بات کاٹی اور کہا کہ ابوسفیان

ابوسفیان نے عباس کی آواز پہچان لی اور فوراً کہا

"عباس تم ہو" کیا کہہ رہے ہو؟ عباس نے جواب دیا "خدا کی قسم! یہ آتش رسولؐ خدا کے لشکر نے روشن کی ہے وہ ایک طاقتور اور نہ ہارنے والا لشکر لے کر قریش کی طرف آئے ہیں۔ اور قریش میں ان سے مقابلہ کرنے کی ہرگز طاقت نہیں ہے"۔

عباس کی باتوں سے ابوسفیان کے دل میں اور زیادہ خوف پیدا ہوا خوف کی شدت سے کانپتے ہوئے اس نے کہا

"عباس، میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں مجھ کو بتاؤ میں کیا کروں؟ عباس نے جب دیکھا کہ ان کی بات موثر ثابت ہوئی تو فرمایا "اب صرف چارہ یہ ہے کہ تم میرے ساتھ رسولؐ خدا کی ملاقات کے لیے آؤ اور ان سے امان طلب کرو ورنہ سارے قریش کی جان خطرہ میں ہے"۔

اسکے بعد آپ نے اسکو اپنی سواری پر سوار کیا اور لشکرگاہ اسلام کی طرف لے چلے۔

مشرکین کا پیشوا مومنین کے چنگل میں

عباس نے ابوسفیان کو سپاہ اسلام کی عظیم لشکرگاہ سے گزارا سپاہیوں نے عباس اور پیغمبرؐ کی مخصوص سواری کو جس پر عباس سوار تھے، پہچانا اور ان کے گزرنے سے مانع نہیں ہوئے بلکہ ان کے لیے راستہ چھوڑ دیا آدھے راستے میں عمر کی نظر ابوسفیان پر پڑی اور انہوں نے چاہا کہ اسی جگہ اس کو قتل کر دیں۔ لیکن چونکہ عباس نے ان کو امان دی تھی اس لیے وہ اپنے ارادہ سے باز رہے یہاں تک کہ عباس اور ابوسفیان رسولؐ خدا کے خیمہ کے پاس پہنچ کر گھوڑے سے اترے۔ عباس خیمہ میں داخلہ کی اجازت لینے کے بعد پیغمبرؐ کے خیمہ میں آئے۔ پیغمبرؐ کے سامنے عباس اور عمر میں کچھ لفظی جھڑپ ہوئی۔ عمر یہ اصرار کر رہے تھے کہ ابوسفیان دشمن خدا ہے اور اس کو اس وقت قتل ہو جانا چاہیے لیکن عباس کہہ رہے تھے کہ میں نے اسے امان دی ہے۔ پیغمبرؐ نے حکم دیا کہ ابوسفیان کو ایک خیمہ میں رکھا جائے اور صبح کو پیغمبرؐ کے پاس لایا جائے۔ صبح سویرے عباس ابوسفیان کو پیغمبرؐ کے حضور میں لائے۔ جب آنحضرت کی نظر ابوسفیان پر پڑی تو آپؐ نے فرمایا

"کیا ابھی اس کا وقت نہیں آیا ہے کہ تو یہ سمجھے کہ خدائے یکتا کے سوا اور کوئی خدا نہیں ہے؟"۔

ابوسفیان نے جواب دیا میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں، آپؐ کتنے بردبار کریم اور وابستگان کے اور میرے مہربان ہیں۔ میں نے اب سمجھ لیا کہ اگر خدائے واحد کے علاوہ کوئی اور خدا ہوتا تو ہماری مدد کرتا۔

جب اس نے خدا کے یگانہ ہونے کا اعتراف کر لیا تو حضرتؐ نے فرمایا کہ "کیا ابھی اس کا وقت نہیں آیا ہے کہ تم جانو کہ میں خدا کا پیامبر ہوں"۔

ابوسفیان نے کہا مجھے آپ کی رسالت میں تردد ہے "عباس تردد سے ناراض ہوئے اور اس سے کہا

"اگر تم اسلام قبول نہیں کرو گے تو تمہاری جان خطرہ میں ہے"۔

ابوسفیان نے خدا کی یگانگت اور پیغمبرؐ کی رسالت کی گواہی دی اور بظاہر مسلمانوں کی صف میں داخل ہو گیا۔

رسولؐ خدا جانتے تھے کہ ابوسفیان کو ابھی رہا کرنے کا موقع نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ مکہ جا کر کوئی سازش کرے اس لیے اسے چاہیے کہ اسلام کی طاقت کا بخوبی مشاہدہ کر لے اور فتح مکہ کے سلسلہ میں سپاہ اسلام کے ارادہ کو مکمل طور پر محسوس کرے اور اس خبر کو تمام مشرکین قریش تک پہنچائے تاکہ تمام سرکردہ افراد مقابلہ کا خیال اپنے دل سے نکال دیں اس وجہ سے ابوسفیان کو ایک تنگ جگہ پر رکھا، سپاہ اسلام اسلحہ میں غرق منظم دستہ کی صورت میں اس کے سامنے سے گزر جاتے تھے۔ جنگی مشق کے وقت مجاہدین اسلام کی تکبیر کی آواز کوہ و دشت مکہ میں گونج اٹھتی تھی اور مجاہدین کے دل وفور شوق سے لبریز ہو جاتے تھے۔

لشکر اسلام کے مسلح دستوں کی عظمت نے ابوسفیان کو اتنا ہراساں کر دیا کہ اس نے بے اختیار عباس کی طرف مخاطب ہو کر کہا

"کوئی بھی طاقت ان لشکروں کا مقابلہ نہیں کر سکتی واقعاً تمہارے بھتیجے نے بڑی زبردست سلطنت حاصل کر لی ہے"۔

عباس نے غصہ میں کہا" یہ سلطنت نہیں بلکہ خداوند عالم کی طرف سے نبوت و رسالت ہے"۔

عباس نے پیغمبرؐ سے کہا" اے اللہ کے رسولؐ، ابوسفیان ایسا شخص ہے جو ریاست کو دوست رکھتا ہے اس کو اسی وقت کوئی مقام عطا فرمائیں"۔

رسولؐ خدا نے فرمایا کہ" ابوسفیان لوگوں کو اطمینان دلا سکتا ہے کہ جو کوئی اس کی پناہ میں آجائے گا امان پائے گا۔ جو شخص اپنا ہتھیار زمین پر رکھ کر اس کے گھر میں چلا جائے اور دروازہ بند کرلے یا مسجد الحرام میں پناہ لے لے وہ سپاہ اسلام سے محفوظ رہے گا"(سیرت ابن ہشام ج ۴ص ۴۶)

مکہ میں نفسیاتی جنگ

ابوسفیان مکمل طور پر حواس باختہ اور لشکر اسلام کی جنگی طاقت سے ہراساں تھا رسولؐ خدا نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ اس کو رہا کردیں تا کہ وہ اپنی قوم میں جاکر ان کے حوصلوں کو متزلزل کرے یہ وہی مقصد تھا جو پیغمبرؐ چاہتے تھے۔ ابوسفیان نے اس کام کو بخوبی انجام دیا۔ اس نے مکہ میں نفسیاتی جنگ چھیڑ کر قریشیوں کو ہراساں کرنے اور بغیر خونریزی کے ہتھیار ڈال دینے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔

شہر کے محاصرہ کی ٹیکنیک: رسولؐ خدا نے اپنے سپاہیوں کو چار دستوں میں تقسیم فرمایا اور ہر ایک دستہ کو ایک سمت سے شہر کے اندر روانہ کیا اور فوج کے کمانڈروں کو حکم دیا کہ جو تم سے لڑے اس کے علاوہ اور کسی سے جنگ نہ کرنا۔ چنانچہ آپ نے صرف چند مفسدین کو جن کی خیانت کی سزا موت سے کم نہ تھی مستثنیٰ رکھا۔(مغازی واقدی ج ۲ص ۸۲۵) رسولؐ خدا نے چاروں طرف سے شہر کے محاصرہ کی ترکیب اپنا کر مشرکین کے امکان فرار کو ان سے سلب کرلیا اور ان کے لیے صرف ایک ہی راستہ باقی چھوڑا اور وہ یہ کہ ہتھیار ڈال دیں۔

ایک فوجی دستہ کے ساتھ مشرکین کی جھڑپ

لشکر اسلام کے شہر میں داخل ہوتے وقت مشرکین معترض نہیں ہوئے۔ فقط قریش کے ان افراد کا ایک گروہ جو افراط سے کام لے رہے تھے۔ صفوان ابن امیہ ابن خلف اور عکرمہ ابن ابی جہل کی رہبری میں خالد ابن ولید کی سرداری میں رہنے والے ایک دستہ سے ٹکرا گیا۔ اس جھڑپ میں دشمن کے ۲۸ افراد نہایت ذلت سے مارے گئے اور وہ لوگ مکہ سے بھاگ گئے(سیرت ابن ہشام ج ۴ص ۴۹)☆

(بقیہ۔۔۔۔۔غیبت کبریٰ میں امت کی ذمہ داریاں)

توقیع امراء اور علماء کے تعاون سے میڈیا ہی کے ذریعے ایسے پروگرامز کی نشر واشاعت کی ضرورت ہے جو ملت کو اپنی ذمہ داریوں کی یاد دہانی کراتے رہیں۔

غیبت کبریٰ کے زمانے میں امت کی ایک اہم ذمہ داری متحد ہو کر رہنا ہے اگر ملت خود ہی ٹکڑوں میں بٹ جائے گی یا تعصبات کی نظر ہو جائے گی تو پھر کامیابی ناممکن ہے امت کا شرعی فریضہ یہ ہے کہ یہ اختلافات سے بالاتر ہو کر امام علیہ السلام کے مشن کے لیے کام کریں اور دشمن کو خود پر غالب نہ آنے دیں اس قدر منظم اور متحد ہو جائیں کہ دشمن ٹکرا کر خود ہی تباہ و برباد ہو جائے۔

امام علیہ السلام کو ہر وقت یاد رکھنے کے لیے اپنے بچوں، اداروں اور مساجد وغیرہ کے نام امام زمانہ علیہ السلام کے القابات پر رکھیں بلکہ کوشش کریں کہ اپنے علاقوں، گلیوں اور چوک وغیرہ کے نام بھی امام زمانہ علیہ السلام کے القابات پر رکھیں۔ اور انشاء اللہ یہ عمل ہمارے مصلح اور ہادی کی محبت و عنایت ہماری جانب ملتفت کرنے کا سبب بن جائے گا۔

دنیاداروں کے ساتھ زیادہ میل جول اور آمدورفت نہ رکھے بلکہ ایسے لوگوں سے میل ملاپ رکھے جو امام علیہ السلام کا کثرت سے ذکر کرنے والے ہوں۔

مندرجہ ذیل دعا کا ورد کرے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ کلمات وارد ہوئے ہیں

"یاالله یا رحمن یا رحیم یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک بحرمة محمد و آله الاطهار" ✿✿۔۔۔۔۔✿۔۔۔۔۔✿✿

قرآن ایسا نور ہے جس میں تیرگی کا گزر نہیں

اللہ تعالیٰ نے اسے عالموں کی تشنگی کیلئے سیرابی، فقیہوں کے دلوں کیلئے بہار اور نیکوں کی رہ گزر کیلئے شاہراہ قرار دیا ہے۔ یہ ایسی دوا ہے کہ جس سے کوئی مرض نہیں رہتا۔ ایسا نور ہے کہ جس میں تیرگی کا گزر نہیں ایسی رسی ہے کہ جسکے حلقے مضبوط ہیں ایسی چوٹی ہے کہ جس کی پناہ گاہ محفوظ ہے جو اس سے وابستہ ہو اسکے لئے سرمایہ عزت ہے جو اسکے حدود میں داخل ہو اسکے لئے صلح و امن کا پیغام ہے

قرآن وسنت کی روشنی میں امت اسلامیہ کی بیداری

تحریر...... مولانا قمر علی استوری

اسلامی امت کی سب سے بڑی مصیبت بعض مسلمانوں کا بعض مسلمانوں کو کافر قرار دینا یاان کی تکفیر ہے یہ مصیبت فرقوں میں اختلافات اور نظریات کے الگ ہونے اور اسلام کے مفاہیم کا غلط معنی کرنے نیز بے جا تعصب کی بنا پر وجود میں آئی ہے۔

اس مضمون میں قرآنی آیات واحادیث اور علماء کے نظریات سے استفادہ کرکے ثابت کیا گیا ہے کہ مسلمان کی تکفیر جائز نہیں ہے اور مسلمانوں کو اپنے تمام تر ذرائع استعمال کر کے اسلامی ثقافت کو رائج کرنے میں کہ جس میں دوسروں کے احترام پر تاکید کی گئی ہے اور اتحاد قائم کرنے میں کردار ادا کرنا چاہیے۔

ہجرت نبویؐ کے پانچویں سال میں جنگ خندق پیش آئی اسے جنگ احزاب بھی کہتے ہیں اس جنگ میں مسلمانوں نے کفار کا مقابلہ کرنے کیلئے سلمان فارسی کی تجویز پر خندق کھودی تھی یہ خندق اسلام وکفر کے درمیان حائل تھی، کیا آج ہم کفر کی فوج اور اس کے آلہ کاروں کا مقابلہ کرنے کیلئے خندق کھود سکتے ہیں؟

سورہ احزاب کے آغاز میں دینی، اجتماعی، سیاسی، اور اخلاقی لحاظ سے دوغلی یا دو رخی رویے کی نفی کی گئی ہے ارشاد ہوتا ہے

”ما جعل اللہ لرجل من قلبین فی جوفہ“

خدا نے کسی آدمی کے سینے میں دو دل پیدا نہیں کئے یعنی خدا نے انسان کو بیک وقت دو طرح سے سوچنے کی صلاحیت نہیں دی ہے تا کہ وہ دوغلی کا شکار ہو جائے اس سورہ میں مسلمان کو ایک پاک باز آلائشوں سے پاک اور عہد و پیمان پر باقی رہنے والا انسان قرار دیا گیا ہے جس کا دین وایمان مشکلات میں مزید مستحکم ہو جاتا ہے۔ ہمیں اس سورہ میں رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

بہت سی قرآنی آیات اور احادیث میں انسان کو رحمت، وحدت اور اسلامی وانسانی اخوت، انصاف، اور حصول علم کی طرف دعوت دی گئی ہے ان امور کو اسلامی معاشرے کی تعمیر کیلئے ضروری قرار دیا گیا ہے۔

اسلام کی ان اعلیٰ وارفع تعلیمات کے باوجود اسلامی ملکوں میں جہل غربت اور بیماری کا منحوس مثلث دیکھنے کو ملتا ہے اسی طرح سے مسلم ملکوں میں ظلم عدم مساوات، طبقاتی فاصلے، اور اسلامی اور انسانی ذمہ داریوں کی طرف سے لاپرواہی دیکھی جاسکتی ہے۔ جس کی وجہ سے ان ملکوں میں اکثریت کی زندگی درہم برہم ہو کر رہ گئی ہے۔

اسلامی امت میں تفرقہ اور تشتت کا سب سے بڑا سبب ایک دوسرے کی تکفیر کرنا ہے۔ ہمیں قرآنی آیات، احادیث، اجتہادات اور ایسے لوگوں کی آراء جو امت کو اتحاد کی طرف بلاتے ہیں ان سے استفادہ کر کے اس بیماری کا علاج تلاش کرنا ہوگا اس طرح سے ہم ایک طرف تو اتحاد کے نظریات کو رائج کریں گے اور دوسری طرف سے بے جا تعصب اور انتہا پسندی پر مبنی نظریات کا ازالہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے جن سے اسلام کی بدنامی ہو رہی ہے اس سلسلے میں قرآنی آیات اور احادیث اور ان کا مفہوم پیش کرنے سے پہلے جو امت کو بیدار کرنے میں بنیادی اہمیت رکھتی ہیں میں بعض علماء اور اسلامی تحریکوں اور عوام کے درمیان عدم اتحاد وانسجام کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں۔

عالم اسلام کے بزرگ علماء عام طور سے اتحاد پر زور دے رہے ہیں ایسے عالم میں

کچھ ایسے عناصر بھی پائے جاتے ہیں جو الگ ذہنیت کے مالک ہیں اور مذہبی اختلافات وبعض آداب ورسوم کی بنا پر مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں یہی نہیں بلکہ انہیں واجب القتل بھی قرار دے دیتے ہیں، جبکہ اسلام میں انسان کی جان اوراس کے تحفظ پر تاکید کی گئی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے کہ

"من قتل نفسا بغیر نفس "او" فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا" (سورہ مائدہ۳۲)

جو شخص کسی کو نہ جان کے بدلے میں نہ ملک میں فساد پھیلانے کی سزا میں (بلکہ ناحق) قتل کردے تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کر ڈالا۔

اسی طرح سورہ نساء میں ارشاد ہوتا ہے کہ

"وما کان لمومن ان یقتل مومنا الا خطاء"

کسی ایمان دار کیلئے یہ جائز نہیں کہ کسی مومن کو جان سے مار ڈالے مگر غلطی سے۔

اس کی ایک آیت کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ

"ومن یقتل مومنا متعمدا فجزاؤہ جھنم خالدا فیھا و غضب اللہ علیہ و لعنہ و اعدلہ عذابا عظیما"

اور جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کے مار ڈالے تو اس کی سزا دوزخ ہے اور ہمیشہ اس میں رہے گا اس پر خدا نے اپنا غضب ڈھایا ہے اور اس پر لعنت کی ہے اور اس کیلئے بڑا سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔

یہاں پر واضح ہے کہ قرآن نے مسلمان کیلئے مومن کی تعبیر استعمال کی ہے جبکہ سورہ حجرات میں فرماتا ہے کہ

"قالت الاعراب آمنا قل لم تؤمنوا و لکن قولوا اسلمنا"

بدو عرب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، اے رسولؐ کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ اسلام لے آئے۔

اس آیہ سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں تمام مسلمان شامل ہیں اور ان کے دل کا حال خدا جانتا ہے اور وہی ان کے ایمان کی حقیقت سے بھی واقف ہے اور ان کے ایمان کا حساب روز قیامت کیا جائے گا ان آیات شریفہ سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ کسی مسلمان کو کافر قرار دینا اور اس کے قتل کا حکم دینا جائز نہیں ہے اور یہ امر خود ایک طرح سے اتحاد و یکجہتی کی دعوت دیتا ہے۔

شاطبی اپنی کتاب الموافقات میں لکھتے ہیں کہ امت اسلامی اور دیگر اہل کتاب اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ شریعت کا مقصد ضروریات یعنی دین، جان، مال، نسل وعقل کی حفاظت ہے، ان کا کہنا ہے کہ انسانی جان کے تحفظ پر اس قدر تاکید کی گئی ہے کہ قتل نفس پر قصاص رکھا گیا ہے اور عذاب خدا سے ڈرایا گیا ہے یہی نہیں بلکہ قتل نفس گناہان کبیرہ میں شامل ہے جو شرک سے بہت نزدیک ہے جس طرح سے کہ نماز ایمان سے قریب تر ہے۔

سٹیلائٹ ٹی وی چینلوں کا شاید یہ ایک مثبت پہلو ہو کہ وہ تنگ نظر افراد کے نقطہ نظر کو بھی بیان کرتے ہیں، کچھ لوگوں نے سوال کیا تھا کہ وہ ملت عراق کی مدد کرنا چاہتے ہیں لیکن اس وجہ سے وہ مدد نہیں بھیج رہے ہیں کہ انہیں خوف ہے کہ ان کی بھیجی ہوئی مدد کہیں دیگر مسلک اور فرقے کے لوگوں کو نہ مل جائے اس طرح کی سوچ ترجیحات کی نفی اور اتحاد کی مخالف ہے اس طرح کے دورخی رویے ہمیں خوارج کی یاد دلاتے ہیں جنہوں نے رسولؐ اللہ کے گرانقدر صحابی خبابؓ بن ارت کو قتل کیا اور ان کی حاملہ زوجہ کا پیٹ چاک کرکے انہیں بھی قتل کر دیا لیکن ایک یہودی کو جب تک اس کے خرموں کی قیمت نہ دے دی خرمے نہیں کھائے (یہ تنگ نظری اور شدت پسندی نہیں تو اور کیا ہے)

سورہ احزاب میں خاص طور سے دودلی کی بات کی گئی ہے جس کا سرچشمہ نفاق ہے یہ نفاق مدینہ میں بھی اس وقت دیکھنے کو ملا تھا جب کفار نے مدینے کا محاصرہ کر لیا تھا، منافقین کے دل میں کفر ہوتا ہے اور وہ صرف ظاہری طور پر اسلام کی بات کرتے ہیں قرآن میں منافقون نام کا ایک سورہ بھی ہے اس سورہ میں خدا نے انہیں دروغ گوئی کفر اور دشمنی کی صفتوں کا حامل قرار دیا ہے اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخاطب ہو کر ارشاد فرماتا ہے کہ

"سواء علیھم استغفرت لھم ام لم تستغفر لھم لن یغفر اللہ لھم"

تم ان کیلئے مغفرت کی دعا مانگو یا نہ مانگو ان کے حق میں برابر ہے خدا تو انہیں ہرگز بخشے گا نہیں۔

سورہ نساء میں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ

"ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار"

بے شک منافقین کی جگہ جہنم کے آخری طبقے میں ہے۔

ان تمام امور کے پیشِ نظر اور جبکہ حضرت جبرئیلؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو منافقین کے ناموں سے آگاہ کر دیا تھا اور مسلمانوں کو مدینے میں کافی طاقت بھی حاصل ہو چکی تھی لیکن رسولؐ اللہ منافقین سے ان کی ظاہری حالت کے مطابق ہی پیش آتے تھے یعنی مسلمانوں کی طرح ہی پیش آتے تھے کیونکہ انہوں نے خواہ ظاہری طور پر ہی کیوں نہ ہو کلمہ شہادتین جاری کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کے باطن کا حساب خدا کے حوالے کر دیا تھا، یہاں ہم خود سے سوال کر سکتے ہیں کہ کیا ہمیں امت میں ترجیحات کے مطابق عمل نہیں کرنا چاہیے؟

کیا ہمیں اس سلسلے میں بھی رسولؐ اللہ کی سنت کی پیروی نہیں کرنا چاہیے؟ رسولؐ اللہ کی اس سیرت کے پیشِ نظر کیا ہم دوسرے فرقوں کے مسلمان بھائیوں کو منافق قرار دے سکتے ہیں؟ سیرت رسولؐ تو یہی بتاتی ہے کہ ہم ہرگز ایسا نہیں کر سکتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیث شریف کے مطابق معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص بھی "لاالہ الااللہ" کو اپنی زبان پر جاری کر لے اس کے قتل کا حکم نہیں دیا جا سکتا صحیح مسلم میں یہ حدیث دیکھی جا سکتی ہے کہ

"سمعت اسامة بن زيد بن حارثه يحدث قال بعثنا رسولؐ الله الى الحرقه من جهينة فصبحنا القوم فهزمناهم فقال و لحقت انا و رجل من الانصار رجلا منهم فلما غشيناه قال لااله الا الله قال فكف عنه الانصارى و طعنته برمحى حتى قتلته قال فلما قدمنا بلغ ذلك النبى فقال لى يا اسامة اء قتلته بعد ما قال لااله الا الله؟ قال فما زال يكررها على حتى تمنيت انى لم اكن اسلمت قبل ذلك اليوم"

اسامہ بن حارثہ سے میں نے سنا کہ انہوں نے کہا ایک دن رسولؐ اللہ نے ہمیں جہینہ قبیلے کے حرقہ طائفہ کی طرف روانہ فرمایا علی الصباح ہم لوگ وہاں پہنچ گئے اور انہیں شکست دیدی اسامہ کہتے ہیں میں نے اور ایک انصاری نے حرقہ کے ایک شخص کو جا لیا جب اسے زمین پر گرا کر نزدیک تھا کہ قتل کر دیں تو اس نے کہا "لاالہ الااللہ" انصاری نے فوراً اپنی تلوار ہٹا لی لیکن میں نے اسے نیزہ سے مار کر قتل کر دیا، اسامہ کہتے ہیں اس کے بعد ہم لوگ مدینے لوٹ آئے۔ رسولؐ اللہ کو یہ خبر پہنچ چکی تھی آپؐ نے مجھ سے فرمایا اے اسامہ کیا تم نے اس شخص کو "لاالہ الااللہ" کہنے کے بعد بھی مار ڈالا؟ اسامہ کہتے ہیں کہ رسولؐ اللہ بار بار اس جملے کی تکرار فرماتے رہے اور میں دل میں خود کو کوستا رہا کہ کاش اس دن سے قبل مسلمان نہ ہوا ہوتا۔

ایک اور روایت میں ہے "فكيف تصنع بلا اله الا الله اذا جاءت يوم القيامة" اگر روزِ قیامت "لاالہ الااللہ" تمہارا دامن تھام لے تو کیا کرو گے؟

اس حدیث شریف سے پتہ چلتا ہے کہ وہ مشرک جس نے کئی مسلمانوں کو قتل کیا ہے اگر وہ بھی اپنی زبان پر کلمہ توحید "لاالہ الااللہ" جاری کر لیتا ہے تو رسولؐ اللہ کے نزدیک اس کا قتل صحیح نہیں ہے اور اگر اسامہ کی آرزو کو دیکھیں جو انہوں نے کہا تھا کہ اے کاش میں اس دن سے قبل مسلمان نہ ہوا ہوتا تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام جاہلیت کے دور کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ مسلمان کی تکفیر اور اسے قتل کرنا گناہِ عظیم ہے۔

سورہ عادیات میں ارشاد ہوتا ہے کہ

"افلا يعلم اذا بعثر ما فى القبور و حصل ما فى الصدور"

کیا انسان یہ نہیں جانتا کہ جب مردے قبروں سے نکالے جائیں گے اور دلوں کے بھید ظاہر کر دیئے جائیں گے۔

یہ آیت و حدیث اعمال کو نیت پر تولتی ہے اور نیت سے سوائے خدا کے کوئی واقف نہیں ہوتا لہٰذا ہم ظاہری حالت کو نظر انداز کر کے کسی مسلمان پر کفر اور اس کے قتل کا حکم جاری نہیں کر سکتے۔

ہمارے مدعا کی تائید فتح مکہ کے دن رسولؐ اللہ کی سیرت سے بھی ہوتی ہے مکہ فتح کرنے کے بعد آپؐ نے مشرکین سے فرمایا کہ

"اذهبوا انتم الطلقاء"

جاؤ تم سب آزاد شدہ ہو آپؐ نے انہیں قتل کرنے کی ممانعت کی اور ان سے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ فوراً مسلمان ہو جائیں، اس کے علاوہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ رسولؐ اللہ نے جنگِ حنین کے بعد مشرکین میں جنگی غنائم تقسیم کئے تا کہ وہ اسلام کی طرف راغب ہوں۔ سورہ نساء میں خدا فرماتا ہے کہ

(باقی ص نمبر 27 کالم نمبر 2 پر)☆

فقہی احکام

مولانا قنبر علی استوری (0305-7727113)

نماز قضاء کے احکام

سوال: نماز قضاء کس صورت میں واجب ہوتی ہے؟

جواب: جس شخص نے اپنی واجب نماز کو اس کے مقررہ وقت پر ادا نہیں کیا اسے چاہیے کہ اس کی قضاء بجالائے اگر چہ وہ نماز کے اوقات میں سوتا رہا ہو یا نشہ ومستی کی وجہ سے اسے نہ پڑھ سکا ہو (توضیح المسائل مسئلہ ۱۳۷۰)

سوال: آیا نماز قضاء کو فوراً بجالانا ضروری ہے؟

جواب: جس شخص کی نماز قضاء ہوگئی ہو وہ اس کے بجالانے میں کوتاہی نہ کرے لیکن واجب نہیں کہ فوراً بجالائے (توضیح المسائل مسئلہ ۱۳۷۲)

سوال: جس شخص کو یہ معلوم ہو کہ اس نے ایک چار رکعتی نماز نہیں پڑھی لیکن یہ معلوم نہ ہو کہ وہ ظہر تھی یا عصر یا عشاء تو اسے کیا کرنا چاہیے؟

جواب: جو شخص جانتا ہو کہ اس نے ایک چار رکعتی نماز نہیں پڑھی ہے لیکن نہ جانتا ہو کہ وہ ظہر، عصر یا عشاء کی نماز تھی تو اگر وہ صرف ایک چار رکعتی نماز اس نیت کے ساتھ پڑھے کہ جو نماز نہیں پڑھی ہے اس کی قضاء ادا کر رہا ہوں تو کافی ہے۔ (توضیح المسائل مسئلہ ۱۳۷۵)

سوال: آیا والد کی قضاء نمازیں اولاد پر واجب ہیں؟

جواب: اگر والد نے اپنی نماز اور روزے ادا نہ کئے ہوں چنانچہ اگر خداوند عالم کی نافرمانی کی وجہ سے ترک نہ کئے ہوں وہ ان کی قضاء بجالا سکتے تھے تو بڑے بیٹے پر واجب ہے کہ والد کے مرنے کے بعد انہیں بجالائے یا کسی کو اُجرت دے کر انہیں ادا کروائے بلکہ اگر نافرمانی کی وجہ سے بھی ترک کئے ہوں تو احتیاط واجب کی بناء پر اسی طرح سے کرے نیز جو روزے سفر کی وجہ سے قضاء کئے ہوں اگر چہ وہ ان کی قضاء بجالانے پر قادر نہ ہوں تب بھی احتیاط واجب کی بناء پر بڑے بیٹے کو چاہیے کہ یا خود نہیں ادا کرے یا کسی کو اُجرت دے کر ادا کروائے (توضیح المسائل مسئلہ ۱۳۹۰)

قضا روزوں کے احکام

سوال: جس شخص نے بیماری کی وجہ سے روزے نہیں رکھے تو کیا اسے ان کی قضاء بجالانی پڑے گی؟

جواب: اگر کسی شخص نے بیماری کی وجہ سے ماہ رمضان کے روزے نہیں رکھے اور دوسرے ماہ رمضان تک بیمار رہا تو اس پر قضا واجب نہیں ہے البتہ ہر ایک روزے کے بدلے میں ایک مد اناج (تقریباً ۷۵۰ گرام) یعنی گندم یا جو وغیرہ کسی فقیر کو دے اور اگر کسی دوسرے عذر مثال کے طور پر سفر کی وجہ سے روزے نہیں رکھ سکا اور دوسرے ماہ رمضان تک یہ عذر باقی رہنے کے سبب اس سال قضا ادا نہ کر سکا تو ان کی قضاء بجالائے اور احتیاط مستحب یہ ہے کہ ہر روزے کے بدلے میں ایک مد اناج بھی فقیر کو دے (توضیح المسائل مسئلہ ۱۷۰۳)

سوال: اگر کسی شخص کی بیماری کئی سالوں تک جاری رہے تو جو روزے اس نے نہیں رکھے ان کی قضا ضروری ہے یا نہیں؟

جواب: اگر کسی شخص کی بیماری کئی سالوں تک چلے تو صحیح ہونے کے بعد اگر آئندہ رمضان تک اس کے پاس ادا کرنے کا وقت ہو تو اسے آخری رمضان کے روزوں کو قضا کرنا چاہیے اور اس سے پہلے سالوں کے قضاء ہو جانے والے روزوں میں ہر روز کے بدلے تین پاؤ اناج (۷۵۰ گرام) کسی فقیر کو دے (توضیح المسائل مسئلہ اقتباس ۱۷۰۷)

سوال: اگر دیوانہ شخص عاقل ہو جائے تو جو روزے اس نے (دیوانگی کی حالت میں) نہیں رکھے ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

(باقی ص نمبر 9 کالم نمبر 2 پر) ☆

زکوٰۃِ فطرہ

سید خادم حسین نقوی (جامعہ امام خمینیؒ)

✿ عیدالفطر کی (چاند) رات غروب آفتاب کے وقت جو شخص بالغ اور عاقل ہو ضروری ہے کہ اپنے لئے اور ان لوگوں کیلئے جو اس کے ہاں کھانا کھاتے ہوں فی کس ایک صاع جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ تقریباً تین کلو ہوتا ہے ان غذاوں میں سے جو اس کے شہر (یا علاقے) میں استعمال ہوتی ہوں مثلاً گیہوں یا جو یا کھجور یا کشمش یا چاول یا جوار مستحق شخص کو دے اور اگر ان کی بجائے ان کی قیمت نقدی کی شکل میں دے تب بھی کافی ہے۔ اور احتیاط لازم یہ ہے کہ جو غذا اس کے شہر میں عام طور پر استعمال نہ ہوتی ہو چاہے وہ گیہوں، جو، کھجور یا کشمش ہو نہ دے۔

✿ جس شخص کے پاس اپنے اور اپنے اہل و عیال کیلئے سال بھر کا خرچ نہ ہو اور اس کا کوئی روزگار بھی نہ ہو جس کے ذریعے وہ اپنے اہل و عیال کا سال بھر کا خرچ پورا کر سکے وہ فقیر ہے اور اس پر فطرہ دینا واجب نہیں ہے۔

✿ جو لوگ عیدالفطر کی رات غروب کے وقت کسی شخص کے ہاں کھانے والے سمجھے جائیں ضروری ہے کہ وہ شخص ان کا فطرہ دے، قطع نظر اس سے کہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے مسلمان ہوں یا کافر، ان کا خرچہ اس پر واجب ہو یا نہ ہو اور وہ اس کے شہر میں ہوں یا کسی دوسرے شہر میں ہوں۔

✿ اگر کوئی شخص ایک ایسے شخص کو جو اسکے ہاں کھانا کھانے والا گردانا جائے، اسے دوسرے شہر میں نمائندہ مقرر کرے کہ اس کے (یعنی صاحب خانہ کے) مال سے اپنا فطرہ دے دے اور اسے اطمینان ہو کہ وہ شخص فطرہ دے دے گا تو خود صاحب خانہ کیلئے اس کا فطرہ دینا ضروری نہیں۔

✿ جو مہمان عیدالفطر کی رات غروب سے پہلے صاحب خانہ کی رضامندی کے بغیر اس کے گھر آئے اور اس کے ہاں کھانا کھانے والوں میں اگرچہ وقتی طور پر شمار ہو اس کا فطرہ صاحب خانہ پر واجب ہے۔

✿ جو مہمان عیدالفطر کی رات غروب سے پہلے صاحب خانہ کی رضامندی کے بغیر اس کے گھر آئے اور کچھ مدت صاحب کا خرچہ دینے پر مجبور کیا گیا ہو تو اس کے فطرے کیلئے بھی یہی حکم ہے۔

✿ جو مہمان عیدالفطر کی رات غروب کے بعد وارد ہو اگر وہ صاحب خانہ کے ہاں کھانا کھانے والا شمار ہو تو اس کا فطرہ صاحب خانہ پر احتیاط کی بنا پر واجب ہے اور اگر کھانا کھانے والا شمار نہ ہو تو واجب نہیں ہے خواہ صاحب خانہ نے اسے غروب سے پہلے دعوت دی ہو اور وہ افطار بھی صاحب خانہ کے گھر پر ہی کرے۔

✿ اگر کوئی شخص عیدالفطر کی رات غروب کے وقت دیوانہ ہو اور اس کی دیوانگی عیدالفطر کے دن ظہر کے وقت تک باقی رہے تو اس پر فطرہ واجب نہیں ہے ورنہ احتیاط واجب کی بنا پر لازم ہے کہ فطرہ دے۔

✿ غروب آفتاب سے پہلے اگر کوئی بچہ بالغ ہو جائے یا کوئی دیوانہ عاقل ہو جائے یا کوئی فقیر غنی ہو جائے تو اگر وہ فطرہ واجب ہونے کی شرائط پوری کرتا ہو تو ضروری ہے کہ فطرہ دے۔

✿ جس شخص پر عیدالفطر کی رات غروب کے وقت فطرہ واجب نہ ہو اگر عید کے دن ظہر کے وقت سے پہلے تک فطرہ واجب ہونے کی شرائط اس میں موجود ہو جائیں تو احتیاط واجب یہ ہے کہ فطرہ دے۔

✿ اگر کوئی کافر عیدالفطر کی رات غروب آفتاب کے بعد مسلمان ہو جائے تو اس

پر فطرہ واجب نہیں ہے لیکن اگر ایک ایسا مسلمان جو شیعہ نہ ہو وہ عید کا چاند دیکھنے کے بعد شیعہ ہو جائے تو ضروری ہے کہ فطرہ دے۔

✿ جس شخص کے پاس صرف اندازاً ایک صاع گیہوں یا اسی جیسی کوئی جنس ہو اس کیلئے مستحب ہے کہ فطرہ دے اور اگر اسکے اہل وعیال بھی ہوں اور وہ انکا فطرہ بھی دینا چاہتا ہو تو وہ ایسا کر سکتا ہے کہ فطرے کی نیت سے ایک صاع گیہوں وغیرہ اپنے اہل وعیال میں سے کسی ایک کو دے دے اور وہ بھی اسی نیت سے دوسرے کو دے دے اور وہ اسی طرح دیتے رہیں حتیٰ کہ وہ جنس خاندان کے آخری فرد تک پہنچ جائے اور بہتر ہے کہ جو چیز آخری فرد کو ملے وہ کسی ایسے شخص کو دے جو خود ان لوگوں میں سے نہ ہو جنہوں نے فطرہ ایک دوسرے کو دیا ہے اور اگر ان لوگوں میں سے کوئی نابالغ ہو تو اس کا سرپرست اس کی بجائے فطرہ لے سکتا ہے اور احتیاط یہ ہے کہ جو چیز نابالغ کیلئے لی جائے وہ کسی دوسرے کو نہ دی جائے۔

✿ اگر کوئی شخص کسی کے ہاں کھانا کھاتا ہو اور غروب سے پہلے کسی دوسرے کے ہاں کھانا کھانے والا ہو جائے تو اس کا فطرہ اسی شخص پر واجب ہے جس کے ہاں وہ کھانا کھانے والا بن جائے مثلاً اگر عورت غروب سے پہلے شوہر کے گھر چلی جائے تو ضروری ہے کہ شوہر اس کا فطرہ دے۔

✿ جس شخص کا فطرہ کسی دوسرے شخص پر واجب ہو اس پر اپنا فطرہ خود دینا واجب نہیں ہے۔

✿ جس شخص کا فطرہ کسی دوسرے شخص پر واجب ہو اگر وہ خود اپنا فطرہ دے دے تو جس شخص پر اسکا فطرہ واجب ہو اس پر سے اسکی ادائیگی کا وجوب ساقط نہیں ہوتا

✿ جس عورت کا شوہر اس کو خرچ نہ دیتا ہو اگر وہ کسی دوسرے کے ہاں کھانا کھاتی ہو تو اس کا فطرہ اس شخص پر واجب ہے جس کے ہاں وہ کھانا کھاتی ہے اور اگر وہ کسی کے ہاں کھانا نہ کھاتی ہو اور فقیر بھی نہ ہو تو ضروری ہے کہ اپنا فطرہ خود دے۔

✿ غیر سید، سید کو فطرہ نہیں دے سکتا حتیٰ کہ اگر سید اس کے ہاں کھانا کھاتا ہو تب بھی اس کا فطرہ وہ کسی دوسرے سید کو نہیں دے سکتا۔

✿ جو بچہ ماں یا دایہ کا دودھ پیتا ہو اس کا فطرہ اس شخص پر واجب ہے جو ماں یا دایہ کے اخراجات برداشت کرتا ہو لیکن اگر ماں یا دایہ کا خرچ خود بچے کے مال سے پورا ہو تو بچے کا فطرہ کسی پر واجب نہیں ہے۔

✿ انسان اگرچہ اپنے اہل وعیال کا خرچ حرام مال سے دیتا ہو، ضروری ہے کہ ان کا فطرہ حلال مال سے دے۔

✿ اگر انسان کسی شخص کو اجرت پر رکھے جیسے مستری، بڑھئی یا خدمت گار اور اس کا خرچ اس طرح دے کہ وہ اس کا کھانا کھانے والوں میں شمار ہو تو ضروری ہے کہ اس کا فطرہ بھی دے لیکن اگر اسے صرف کام کی مزدوری دے تو اس (اجیر) کا فطرہ ادا کرنا اس پر واجب نہیں ہے۔

✿ اگر کوئی شخص عیدالفطر کی رات غروب سے پہلے فوت ہو جائے تو اس کا اور اس کے اہل وعیال کا فطرہ اس کے مال سے دینا واجب نہیں۔ لیکن اگر غروب کے بعد فوت ہو تو مشہور قول کی بنا پر ضروری ہے کہ اس کا اور اس کے اہل وعیال کا فطرہ اس کے مال سے دیا جائے۔ لیکن یہ حکم اشکال سے خالی نہیں ہے۔ اور اس مسئلے میں احتیاط کے پہلو کو ترک نہیں کرنا چاہیے۔

زکوٰۃِ فطرہ کا مصرف

✿ فطرہ احتیاط واجب کی بنا پر فقط ان شیعہ اثنا عشری فقراء کو دینا ضروری ہے، جو ان شرائط پر پورے اترتے ہوں جن کا ذکر زکوٰۃ کے مستحقین میں ہو چکا ہے۔ اور اگر شہر میں شیعہ اثنا عشری فقراء نہ ملیں تو دوسرے مسلمان فقراء کو فطرہ دے سکتا ہے لیکن ضروری ہے کہ کسی بھی صورت میں "ناصبی" (ایسا شخص جو اہل بیت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتا ہے۔ ان کے خلاف بدزبانی کرتا ہے) کو نہ دیا جائے۔

✿ اگر کوئی شیعہ بچہ فقیر ہو تو انسان یہ کر سکتا ہے کہ فطرہ اس پر خرچ کرے یا اس کے سرپرست کو دے کر اسے بچے کی ملکیت قرار دے۔

✿ جس فقیر کو فطرہ دیا جائے ضروری نہیں کہ وہ عادل ہو لیکن احتیاط واجب یہ ہے کہ شرابی اور بے نمازی کو اور اس شخص کو جو کھلم کھلا گناہ کرتا ہو فطرہ نہ دیا جائے۔

✿ جو شخص فطرہ ناجائز کاموں میں خرچ کرتا ہو ضروری ہے کہ اسے فطرہ نہ دیا جائے۔

✿ احتیاط مستحب یہ ہے کہ ایک فقیر کو ایک صاع سے کم فطرہ نہ دیا جائے۔ البتہ اگر ایک صاع سے زیادہ دیا جائے تو کوئی اشکال نہیں ہے۔

✿ جب کسی جنس کی قیمت اسی جنس کی معمولی قسم سے دگنی ہو مثلاً کسی گیہوں کی قیمت معمولی قسم کی گیہوں کی قیمت سے دوچند ہو تو اگر کوئی شخص اس (بڑھیا جنس)

کا آدھا صاع بطور فطرہ دے تو یہ کافی نہیں ہے بلکہ اگر وہ آدھا صاع فطرہ کی قیمت کی نیت سے بھی دے تو بھی کافی نہیں ہے۔

✿ انسان کیلئے مستحب ہے کہ زکوٰۃ دینے میں اپنے فقیر رشتے داروں اور ہمسایوں کو دوسرے لوگوں پر ترجیح دے۔ اور بہتر یہ ہے کہ اہل علم و فضل اور دیندار لوگوں کو دوسروں پر ترجیح دے۔

✿ اگر انسان یہ خیال کرتے ہوئے کہ ایک شخص فقیر ہے اسے فطرہ دے اور بعد میں معلوم ہو کہ وہ فقیر نہ تھا تو اگر اس نے جو مال فقیر کو دیا تھا وہ ختم نہ ہو گیا ہو تو ضروری ہے کہ واپس لے لے اور مستحق کو دے دے اور اگر واپس نہ لے سکتا ہو تو ضروری ہے کہ خود اپنے مال سے فطرے کا عوض دے اور اگر وہ مال ختم ہو گیا ہو لیکن لینے والے کو علم ہو کہ جو کچھ اس نے لیا ہے وہ فطرہ ہے تو ضروری ہے کہ اس کا عوض دے اور اگر اسے یہ علم نہ ہو تو عوض دینا اس پر واجب نہیں ہے اور ضروری ہے کہ انسان فطرے کا عوض دے۔

✿ اگر کوئی شخص کہے کہ میں فقیر ہوں تو اسے فطرے نہیں دیا جا سکتا بجز اس صورت کے کہ انسان کو اس کے کہنے سے اطمینان ہو جائے یا انسان کو علم ہو کہ وہ پہلے فقیر تھا۔

زکوٰۃ وفطرہ کے متفرق مسائل

✿ ضروری ہے کہ انسان فطرہ قربت کے قصد سے یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی خوشنودی کیلئے دے اور اسے دیتے وقت فطرے کی نیت کرے۔

✿ اگر کوئی شخص ماہ رمضان المبارک سے پہلے فطرہ دے دے تو یہ صحیح نہیں ہے اور بہتر یہ ہے کہ ماہ رمضان المبارک میں بھی فطرہ نہ دے البتہ اگر ماہ رمضان المبارک سے پہلے کسی فقیر کو قرض دے اور جب فطرہ اس پر واجب ہو جائے قرضے کو فطرے میں شمار کر لے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

✿ گیہوں یا کوئی دوسری چیز جو فطرہ کے طور پر دی جائے ضروری ہے کہ اس میں کوئی اور جنس یا مٹی نہ ملی ہوئی ہو۔ اور اگر اس میں کوئی ایسی چیز ملی ہوئی ہو اور خالص مال ایک صاع تک پہنچ جائے اور ملی ہوئی چیز جدا کیے بغیر استعمال کے قابل ہو یا جدا کرنے میں حد سے زیادہ زحمت نہ ہو یا جو چیز ملی ہوئی ہو وہ اتنی کم ہو کہ قابل توجہ نہ ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

✿ اگر کوئی شخص عیب دار چیز فطرے کے طور پر دے تو احتیاط واجب کی بنا پر کافی نہیں ہے۔ ✿ جس شخص کو کئی اشخاص کا فطرہ دینا ہو اس کیلئے ضروری نہیں کہ سارا فطرہ ایک ہی جنس سے دے مثلاً اگر بعض افراد کا فطرہ گیہوں سے اور بعض دوسروں کا جَو سے دے تو کافی ہے۔

✿ عید کی نماز پڑھنے والے شخص کو احتیاط واجب کی بنا پر عید کی نماز سے پہلے فطرہ دینا ضروری ہے لیکن اگر کوئی شخص نماز عید نہ پڑھے تو فطرے کی ادائیگی میں ظہر کے وقت تک تاخیر کر سکتا ہے۔

✿ اگر کوئی شخص فطرے کی نیت سے اپنے مال کی کچھ مقدار علیحدہ کر دے اور عید کے دن ظہر کے وقت تک مستحق کو نہ دے تو جب بھی وہ مال مستحق کو دے فطرے کی نیت کرے۔ ✿ اگر کوئی شخص فطرہ واجب ہونے کے وقت فطرہ نہ دے اور الگ بھی نہ کرے تو اس کے بعد ادا اور قضا کی نیت کیے بغیر فطرہ دے۔

✿ اگر کوئی شخص فطرہ الگ کر دے تو وہ اسے اپنے مصرف میں لا کر دوسرا مال اس کی جگہ بطور فطرہ نہیں رکھ سکتا۔

✿ اگر کسی شخص کے پاس ایسا مال ہو جس کی قیمت فطرہ سے زیادہ ہو تو اگر وہ شخص فطرہ نہ دے اور نیت کرے کہ اس مال کی کچھ مقدار فطرے کیلئے ہو گی تو ایسا کرنے میں اشکال ہے۔

✿ کسی شخص نے جو مال فطرے کیلئے کیا ہو اگر وہ تلف ہو جائے تو اگر وہ شخص فقیر تک پہنچ سکتا تھا اور اس نے فطرہ دینے میں تاخیر کی ہو یا اس کی حفاظت کرنے میں کوتاہی کی ہو تو ضروری ہے کہ اس کا عوض دے اور اگر فقیر تک نہیں پہنچ سکتا تھا اور اس کی حفاظت میں کوتاہی نہ کی ہو تو پھر ذمہ دار نہیں ہے۔

✿ اگر فطرے دینے والے کے اپنے علاقے میں مستحق مل جائے تو احتیاط واجب یہ ہے کہ فطرہ دوسری جگہ نہ لے جائے اور اگر دوسری جگہ لے جائے اور وہ ضائع ہو جائے تو ضروری ہے کہ اس کا عوض دے۔ ✿

زکات فطرہ امام خمینیؒ ٹرسٹ کے ذریعہ مستحقین تک پہنچائیے
رابطہ نمبر: 0301-8774514 0300-6664552
اکاؤنٹ نمبر: 12570009955703
حبیب بینک کالاباغ ضلع میانوالی

جنت البقیع کے انہدام کے تاریخی عوامل

تحریر...... غلام قمر عراقی

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جنت البقیع کے مزارات کی تعمیر کی تحریک کو جس میں ابتداً شیعہ سنی سب برابر کے شریک تھے وقت گزرنے کے ساتھ گزشتہ دہائیوں یعنی ۷۰ سال میں میں ہمارے سنی بھائیوں نے بھلا دیا اور بالآخر یہ صرف اہل تشیع کی ذمہ داری بن کر رہ گیا ہے۔ اور یوں گزشتہ ۷۰ سال سے ہر سال ۸ شوال کو ہم یوم انہدام جنت البقیع منا کر اہل بیت علیہم السلام سے مودت کا فریضہ اور اجر رسالت ادا کرتے ہیں۔

جنت البقیع مورخین کی نظر میں

بقیع کے لفظی معنی درختوں کا باغ ہے اور تقدس کی خاطر اس کو جنت البقیع کہا جاتا ہے یہ مدینہ میں ایک قبرستان ہے جس کی ابتداء ۳ شعبان ۳ ھ کو عثمان بن مزون کے دفن سے ہوئی، اسکے بعد یہاں آنحضرتؐ کے فرزند حضرت ابراہیمؑ کی تدفین ہوئی۔ آنحضرتؐ کے دوسرے رشتہ دار صفیہؓ، عاتکہؓ اور فاطمہؑ بنت اسدؑ (والدہ امیر المومنینؑ) بھی یہاں دفن ہیں تیسرے خلیفہ حضرت عثمانؓ جنت البقیع سے ملحق باہر دفن ہوئے تھے لیکن بعد میں اس کی توسیع میں ان کی قبر بھی بقیع کا حصہ بن گئی۔ بقیع میں دفن ہونے والوں کو آنحضرت خصوصی دعا میں یاد کرتے تھے اس طرح بقیع کا قبرستان مسلمانوں کیلئے ایک تاریخی امتیاز و تقدس کا مقام بن گیا۔

ساتویں صدی ہجری میں عمر بن جبیر نے اپنے مدینہ کے سفر نامہ میں جنت البقیع میں مختلف قبور پر تعمیر شدہ قبوں اور گنبدوں کا ذکر کیا ہے جس میں حضرت ابراہیمؑ (فرزند آنحضرتؐ) عقیلؑ ابن ابی طالبؑ، عبداللہ بن جعفر طیار، امہات المومنینؓ، عباسؓ ابن عبدالمطلبؑ کی قبور شامل ہیں۔ قبرستان کے دوسرے حصہ میں حضرت امام حسن علیہ السلام کی قبر اور عباسؓ ابن عبدالمطلبؑ کی قبر کے پیچھے ایک حجرہ، موسوم بہ بیت الحزن ہے جہاں جناب سیدہؑ جا کر اپنے والد کو روتی تھیں۔ تقریباً ایک سو سال بعد ابن بطوطہ نے بھی اپنے سفر نامہ میں بقیع کا جو خاکہ بتایا ہے وہ اس سے کچھ مختلف نہیں تھا۔ سلطنت عثمانی نے بھی مکہ اور مدینہ کی رونق میں اضافہ کیا اور مقامات مقدسہ کے فن تعمیر اور زیبائش میں اضافہ کیا اور ۱۸۷۸ء کے دوران دو انگریزی سیاحوں نے بھیس بدل کر ان مقامات کا دورہ کیا اور مدینہ کو استنبول کے مشابہ ایک خوبصورت شہر قرار دیا۔ اس طرح گزشتہ ۱۲ سو سال کے دوران جنت البقیع کا قبرستان ایک قابل احترام جگہ بنا رہا جو وقتاً فوقتاً تعمیر اور مرمت کے مرحلوں سے گزرتا رہا۔

وہابیت کی ابتدا اور فروغ

۱۳ ویں صدی ہجری کے اوائل میں حجاز کے سیاسی حالات نے پلٹا کھایا اور جنت البقیع بھی ان کی زد سے محفوظ نہ رہ سکی، اس کی بنیادی وجہ وہابیت ہے۔ وہابیت کا پس منظر کیا ہے؟ اس کی ابتدا نجد میں ہوئی، اس وقت جزیرہ نمائے عرب میں دو طاقتیں تھیں ایک نجد میں اور دوسری حجاز میں، شمال میں ترکی کی سلطنت عثمانیہ قائم تھی جس میں شام، عراق، اردن اور فلسطین بھی شامل تھے۔

۱۱۱۵ ھ کو نجد میں محمد بن عبدالوہاب نامی شخص پیدا ہوا، وہ مدینہ منورہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد بصرہ، بغداد، ہمدان اور قم گیا اور حصول علم کے ساتھ ساتھ درس و تدریس میں مصروف رہا، پہلے اس نے حنبلی نظریات کو قبول کیا پھر حنبلی بیعت سے آزاد ہو کر احادیث میں از خود استنباط (یعنی تفسیر بالرائے) کا دعویٰ کیا۔ نتیجتاً اس کو مخالفانہ نظریات کے پرچار کی پاداش میں بستی سے نکال دیا گیا۔

اس وقت نجد میں محمد بن سعود نامی شخص کے زیر اثر قبیلوں کا دارومدار ہمسایہ بستیوں میں لوٹ مار کرنا اور اپنے علاقہ کی حدود بڑھانا تھا۔ محمد بن سعود نے محمد بن عبدالوہاب کو اپنے قبیلے میں پناہ دی اور دونوں کے درمیان وہابیت کے فروغ اور پرچار کرنے کا معاہدہ ہوا۔ محمد بن عبدالوہاب نے بعض عربوں کو اپنی طرف مائل کرلیا اور وہابیت کے نام سے جو نیا عقیدہ یا Doctrine دیا، اس کے رو سے اسلام میں قبر پرستی کو شرک قرار دیا۔

قبور پر سائبان چھت، قبہ، گنبد بنانا نا جائز ہی نہیں بلکہ کفر ہے اور زیارت قبور کیلئے جانا نا جائز ہے۔ معاہدہ کی رو سے محمد بن عبدالوہاب لوگوں کو وہابیت کی طرف مائل کرتا اور ان کو ابن سعود کی حمایت پر تیار کرتا اور یہ لوگ ابن سعود کی سرکردگی میں ہمسایہ علاقوں پر حملہ کرتے۔ اس طرح ابن سعود نے حجاز کے وسیع علاقہ پر قبضہ جمالیا اور محمد بن عبدالوہاب کو اپنا قاضی مقرر کیا۔ خود محمد بن سعود نے بھی وہابی نظریات کو قبول کرلیا اور اس طرح وہابیت کو حجاز میں سرکاری مذہب کا درجہ مل گیا۔ محمد بن سعود کے انتقال پر ان کے بھائی عبدالعزیز بن سعود نے بھی وہ معاہدہ برقرار رکھا اور اس طرح لشکر کشی جاری رہی۔

قرآن کے سورہ حج کی ۳۲ ویں آیت میں شعائراللہ کی تعظیم سے متعلق صریح احکام موجود ہیں۔ ان تمام دلائل کے باوجود بفرض محال عقیدہ وہابیت کو قابل قبول سمجھا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ گزشتہ ۱۲ صدیوں میں سارے عالم اسلام میں جہاں جہاں قبور کی زیارت، احترام، تعمیر مرمت اور دیکھ بھال کی گئی وہ تمام اعمال شرک، کفر اور بدعت کے زمرہ میں شمار ہوں گے۔ یعنی یہ کریڈٹ محمد بن عبدالوہاب کو جائیگا کہ ۱۲ سو سال میں پہلی دفعہ اس نے اس بدعت کی نشاندہی کی۔

ایک اور قابل ذکر نکتہ یہ ہے کہ محمد بن عبدالوہاب نے ان نظریات کو اپنے والد کے نام کی نسبت سے وہابیت کا نام دیا جبکہ ان کا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ البتہ خود ان کے اپنے نام یعنی محمد کی نسبت سے یہ عقیدہ محمدیہ کہلاتا۔ ظاہر ہے ایسا کرنے سے ان کا مقصد ہی فوت ہوجاتا۔ ایک اور اہم نکتہ قابل غور ہے کہ ۱۹ ویں اور ۲۰ ویں صدی میں اسلامی دنیا میں ایک ہلچل مچی رہی یہ ایک اتفاق ہے کہ عین اس زمانہ میں جب حجاز میں وہابیت جڑ پکڑ رہی تھی دنیا کے دوسرے حصوں میں بھی احیائے اسلام کے نام پر اور تحریکیں بھی کارفرما تھیں بطور مثال سوڈان میں مہدویت، لیبیا میں سنوسی، نائجیریا میں فلانی، انڈونیشیا میں پادری اور ہندوستان میں احمدیہ یا قادیانیت قابل ذکر ہیں۔ بظاہر احیائے اسلام کے نام پر یہ تحریکیں اسلام سے مرکز گریزی میں زیادہ معروف تھیں۔ بجائے اس کے کہ ہم اس مسئلہ کو اسلام کے خلاف یہودیوں کی سازش کہہ کر ختم کردیں ضروری ہے کہ اس معاملہ میں تحقیق کریں اور ان تحاریک کے منبع اور مقاصد تک پہنچیں (آکسفورڈ انسائیکلو پیڈیا آف ماڈرن اسلامک ورلڈ ص ۱۲)

مسلم ممالک میں فکری انتشار اور بدنظمیوں کے حوالے سے حکومت برطانیہ کے ایک جاسوس ہمفری کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ وہابیت کے پھیلاؤ اور تبلیغ کے سلسلہ میں اس کی کارروائیاں سر فہرست ہیں جو 'ہمفری کے اعترافات'' کی صورت میں قلمبند ہیں۔ ان اعترافات میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کے ہمفری سے روابط کا تفصیلی ذکر ہے کہ کس طرح اس نے شیخ محمد کو اسلامی عقائد سے منحرف کیا۔ ساتھ ساتھ وہ برطانوی وزارتِ نوآبادیات کو عراق کے واقعات سے بھی آگاہ کرتا رہا اور وہاں کیلئے ایک ۶ نکاتی لائحہ عمل مرتب کیا۔ ان دستاویزات کی استناد سے قطع نظر یہ بات قابل غور ہے کہ اغیار کس طرح ہماری اندرونی خلفشار سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ جنگ عظیم دوم کے دوران یہ دستاویزات جرمنوں کے ہاتھ لگیں تو انہوں نے برطانیہ کے خلاف پروپگنڈے کیلئے جرمنی رسالہ اشپیگل میں شائع کیا بعد میں ایک فرانسیسی رسالے نے ان کو شائع کردیا۔ ایک لبنانی دانشور نے ان یادداشتوں کے عربی ترجمہ کو رفاہ عام کی غرض سے چھاپ دیا۔

عرب عجم کشمکش اور تحریکِ خلافت

حجاز میں وہابیت کی تحریک کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی افراتفری میں مغربی طاقتوں نے ایک نیا فتنہ کھڑا کردیا۔ عربوں اور عجمیوں کے اختلافات سے فائدہ اٹھا کر برطانیہ اور فرانس نے ۱۹۱۶ اور ۱۹۱۸ء کے درمیان کرنل لارنس (جو عام طور پر لارنس آف عریبیا کہلاتا ہے) کی قیادت میں شام اور عراق کے عربوں کو ترکی کی سلطنت عثمانیہ کے خلاف صف آراء کردیا مگر جنگ کے اختتام پر (جو عرب انقلاب سے موسوم ہوئی) برطانیہ اور فرانس نے عربوں کو دھوکہ دیکر شام، عراق، فلسطین اور اردن کو باہم تقسیم کرلیا، عراق، فلسطین اور اردن برطانیہ کے تسلط یا

نگرانی میں دیدیئے گئے اور شام پر فرانس کو غلبہ مل گیا۔

یمن اور نجد نیم آزاد حکومتیں بن گئیں۔ حجاز میں جس کا نجد کے ساتھ دیرینہ جھگڑا چل رہا تھا شریف حسین ایک چھوٹی سی مملکت کا حکمران تھا۔ جب عبدالعزیز ابن سعود کو اطمینان ہو گیا کہ برطانیہ کی طرف سے کوئی مزاحمت نہ ہوگی تو نجدیوں نے حجاز پر حملہ کر دیا اور سارے جزیرۃ العرب کو اپنے خاندانی حوالہ سے سعودی عرب کا نام دیدیا جواب تک رائج ہے۔ وہابیت کے فروغ میں نجدیوں کی یہ کامیابی ایک اہم سنگ میل ثابت ہوئی کیونکہ ان کی عالم اسلام کے مرکز مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ تک رسائی آسان ہو گئی۔

اب ترکی میں ایک نئی سیاسی صورت حال پیدا ہوئی۔ ۱۹۲۴ء میں ترکی رہنما مصطفیٰ کمال اتاترک نے عربوں کے معاندانہ رویوں سے تنگ آ کر اور اپنی سلطنتی مصالح کے تحت سلطان محمد کی معزولی کے ساتھ عہدہ خلافت کو بھی ختم کر دیا۔ گو کہ ترک حکمرانوں کیلئے ایک رسمی عہدہ تھا لیکن یہ عالم اسلام کے اتحاد اور آفاقیت کی علامت تھا اور قرن اول کی خلافتوں سے اپنی تسلسل باقی رکھا تھا۔ مسلمانان ہند کیلئے جن کو ترکی میں خلافت سے ایک ذہنی ہم آہنگی تھی ترک حکومت کا یہ فیصلہ ناگوار گزرا اور ترکی میں خلافت کے احیا کیلئے تحریک خلافت کا آغاز کیا۔ لیکن جب اس مہم میں ناکام رہے تو خلافت کمیٹی نے اپنی توجہ حجاز پر مرکوز کر دی جہاں اب عبدالعزیز ابن سعود کی حکومت تھی۔

اکتوبر ۱۹۲۴ء کو مولانا محمد علی جوہر کی سربراہی میں تحریک خلافت کمیٹی کی جانب سے سلطان عبدالعزیز ابن سعود کو ایک تار بھیجا گیا جس میں اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ چونکہ حجاز دنیائے اسلام کا مرجع ہے وہاں کوئی انفرادی شاہی قائم نہیں ہو سکتی بلکہ ایسی جمہوریت قائم ہو جو غیر مسلم اغیار کے اثر سے پاک ہو۔ اس کے جواب میں سلطان ابن سعود نے لکھا کہ حجاز کی حکومت حجازیوں کا حق ہے لیکن عالم اسلام کے جو حقوق حجاز سے متعلق ہیں ان کے لحاظ سے حجاز عالم اسلامی کا ہے اور اس ضمن میں یقین دلایا کہ آخری فیصلہ دنیائے اسلام کے ہاتھ میں ہوگا۔ یہ تو تاریخ ہی ثابت کرے گی کہ اس وعدہ میں کتنی صداقت تھی۔

انہدام جنت البقیع

عالم اسلام میں افراتفری کے تشدد کرونا ریخی عوامل نے عبدالعزیز ابن سعود کو حجاز پر پیش قدمی کا موقع فراہم کر دیا اور تمام یقین دہانیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے جنوری ۱۹۲۶ء میں سلطان ابن سعود نے حجاز پر اپنی حاکمیت کا اعلان کر دیا۔ وہابیت جواب ریاستی مذہب بن گئی تھی بزور شمشیر اہل حجاز پر تھوپی جا رہی تھی سعودی حملہ آور جب مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تو انہوں نے جنت البقیع اور بیرون مسجد جوان کے راستہ میں آئی منہدم کر دی اور سوائے روضہ نبویؐ کے کسی قبر پر قبہ باقی نہ رہا۔ آثار ڈھائے گئے اکثر قبروں کی تعویذ اور سب کی لوحیں توڑ دی گئیں۔

انہدام جنت البقیع کی خبر سے عالم اسلام میں رنج و غم کی ایک لہر پھیل گئی ساری دنیا کے مسلمانوں نے احتجاجی جلسے کئے اور قراردادیں پاس کیں جس میں سعودی جرائم کی تفصیل دی گئی۔ آنے والے سالوں میں عراق، شام اور مصر سے حج اور دیگر امور کیلئے آنے والوں پر پابندی لگا دی گئی کہ وہ وہابیت قبول کریں گے ورنہ ان کو نکال دیا جائیگا۔ ہزاروں مسلمان وہابیوں کے مظالم سے تنگ آ کر مکہ اور مدینہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ مسلمانوں کے مسلسل احتجاج پر سعودی حکمرانوں نے مزارات کی مرمت کی یقین دہانی کی، یہ وعدہ آج تک پورا نہ ہو سکا۔ اس ضمن میں تحریک خلافت کمیٹی کی کارکردگی بھی مایوس کن رہی۔ مسلکی اختلافات کی وجہ سے خلافت کمیٹی کوئی مضبوط موقف نہیں اختیار کر سکی اور یوں یہ کمیٹی پاش پاش ہو گئی اور یہ معاملہ ختم ہو گیا۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جنت البقیع کے مزارات کی تعمیر کی تحریک کو جس میں ابتداً شیعہ سنی سب برابر کے شریک تھے وقت گزرنے کے ساتھ گزشتہ ۷ دہائیوں یعنی ۷۰ سال میں میں ہمارے سنی بھائیوں نے بھلا دیا اور بالآخر یہ صرف اہل تشیع کی ذمہ داری بن کر رہ گیا ہے۔ اور یوں گزشتہ ۷۰ سال سے ہر سال ۸ شوال کو ہم یوم انہدام جنت البقیع منا کر اہل بیت علیہم السلام سے مودت کا فریضہ اور اجر رسالت ادا کرتے ہیں۔

ہماری ذمہ داریاں

جنت البقیع اور عالم اسلام کے حوالے سے ہمیں ایک منظم مہم چلانی ہوگی۔ دنیائے عرب میں مراکش سے عراق تک اور عجم میں ترکی سے انڈونیشیا تک کونسی مملکت ہے جہاں بزرگان دین، سیاستدان اور عامۃ المسلمین کے مزارات مرجع خلائق نہیں ہیں۔ بقیع کوئی عام قبرستان نہیں ہے بلکہ یہاں بلا اختلاف فرقہ ہر مسلمان

کیلئے قابل احترام شخصیتیں دفن ہیں۔

انہدام جنت البقیع کے واقعہ کے باوجود حضرت سرورکائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ کا وجود خود ایک معجزہ ہے اور اس بات کا ثبوت ہے کہ جنت البقیع کا انہدام کوئی فقہی مسئلہ نہیں تھا بلکہ ایک سیاسی حکمت عملی تھی جس کی بنیاد خانوادہ اہل بیت علیہم السلام سے دیرینہ عداوت تھی۔

دنیا میں تمام متمدن اقوام اپنے آبا و اجداد کے آثار کی حفاظت کے انتظامات کرتے ہیں۔ مصر میں اسوان ڈیم بنایا گیا تو اس سے متاثر ہونے والے آثار قدیمہ کے کھنڈرات کو دوسری جگہ منتقل کرنے کیلئے یونیسکو نے کثیر رقم خرچ کی۔ افغانستان کے شہر بامیان میں گوتم بدھ کے مجسموں کی توڑ پھوڑ پر ساری دنیا بشمول توحید پرستوں نے اپنے غم و غصہ کا اظہار کیا۔ لیکن ہمارے آزاد میڈیا کیلئے انہدام جنت البقیع کوئی قابل توجہ مسئلہ نہیں ہے۔ آثار قدیمہ کی حفاظت حقوق انسانی کے زمرہ میں آتی ہے ہمیں سرنامہ کلام کی آیت "اُدع الیٰ سبیل ربک" کے رہنما اصول پر عمل کرتے ہوئے جذبات سے بالاتر ہو کر جنت البقیع کی بحالی کیلئے قابل عمل پالیسی اختیار کرنا ہوگی۔ جس کے چند بنیادی خطوط یہ ہیں۔

۱۔ بین الاقوامی تنظیم مثلاً یونیسکو، عرب لیگ، موتمر عالم اسلامی، تنظیم اسلامی کانفرنس (OIC) اور عالمی انسانی حقوق کمیشن کو متوجہ کیا جائے۔

۲۔ اخبارات میں آئے دن اسلام کے حوالے سے جدیدیت کشادہ دلی اور صبر و تحمل کی پالیسی اپنانے کی تلقین کی جاتی ہے اس پر عمل بھی کیا جائے۔

۳۔ ماضی کے سیاسی سماجی اور جنگی جرائم پر مواخذہ و اعتراف اور معافی اب ایک بین الاقوامی "طریقۂ تلافی" کے طور پر قابل قبول اصول بن گیا ہے اس اصول کا اطلاق انہدام جنت البقیع کے مرتکبین پر بھی کیا جائے۔

۴۔ ان تمام امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے تمام عقیدہ کے سنجیدہ اور انصاف پسند مسلمان بھائیوں کے تعاون سے سعودی حکمرانوں سے درخواست کی جائے کہ وہ ان مزارات کو خود بنا دیں یا پھر عالم اسلام کو اس کی اجازت دے دیں۔

خداوند تبارک و تعالیٰ تمام مسلمانوں کی اس کار خیر میں حصہ لینے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)　　بشکریہ اہل بیت نیوز ایجنسی "ابنا"

✿✿……✿……✿✿

(بقیہ.....حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی شخصیت اور علمی فیوض)

ایک گروہ آغا خانی اور اسماعیلی اور دوسرا نزار کے بھائی مستعلی کی تقلید کی نسبت سے مستعلیہ کہلایا۔ موخر الذکر نے فقہ جعفری کی تقلید میں اپنے ہاں ایک مہدی غائب کا تصور پیش کیا اور ہدایت کے امور ایک داعی کے سپرد کر دیئے جو ابھی تک جاری ہے۔

عام زبان میں شش امامی داؤدی بوہرہ کہلاتے ہیں۔ دیگر فقہی امور میں یہ فقہ جعفری سے قریب ہیں اس کے برعکس اسماعیلی عقائد میں فقہ جعفریہ سے انحراف ہے، دونوں گروہ دنیوی آسائش اور نجات اخروی کے وعدوں پر پیروؤں کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔

شیعوں کا وہ گروہ جو امام جعفر صادق علیہ السلام کی نص کی بنیاد پر حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے ذریعہ سلسلہ امامت کو بارہویں ہادی تک مسلسل رکھا وہ شیعہ اثنا عشری کہلائے اور یہی اپنے آپ کو اعلانیہ فقہ جعفری سے متمسک قرار دیتا ہے۔

شیعوں میں گروہی تقسیم کی اس بحث کے منطقی انجام میں یہ عرض ہے کہ تاریخ امامت حقہ میں ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ایک امام کے بیٹوں کے درمیان امامت پر فائز ہونے کے مسئلہ پر اختلاف ہو جائے یا جس بیٹے کو امام نے جانشین قرار دے دیا وہ باپ کی زندگی میں ہی وفات پا جائے اور نص کی تنسیخ ہو جائے۔ اس لحاظ سے بحمداللہ فقہ جعفری پر عامل مومنین کو اپنی فقہ کی حقانیت پر صد فیصد یقین اور اطمینان قلب ہے، خدا ہم کو اس مسلک پر ثابت قدم رکھے (آمین) ✿

قرآن مجید مخلوقات پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہے

قرآن (اچھائیوں کا) حکم دینے والا، برائیوں سے روکنے والا (بظاہر) خاموش اور (بباطن) گویا اور مخلوقات پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہے کہ جس پر (عمل کرنے کا) اس نے بندوں سے عہد لیا ہے اور انکے نفسوں کو اسکا پابند بنایا ہے اس کے نور کو کامل اور اسکے ذریعہ سے دین کو مکمل کیا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس حالت میں دنیا سے اٹھایا کہ وہ لوگوں کو ایسے احکام قرآن کی تبلیغ کر کے فارغ ہو چکے تھے کہ جو ہدایت و رستگاری کا سبب ہیں (خطبہ ۱۸۱)

انتخاب...... حجاب زہراء۔ ردا فاطمہ

حضرت امام زمانہ علیہ السلام کی غیبت کبریٰ میں امت کی ذمہ داریاں

سید انتصار مہدی نقوی

معرفت

غیبت کبریٰ کے زمانے میں امت کا سب سے اہم فریضہ معرفت حضرت امام زمانہ علیہ السلام کا حصول ہے اور یہ اس قدر اہمیت کی حامل ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاھلیۃ" چنانچہ امت کو چاہیے کہ امام علیہ السلام کی معرفت کی راہ میں جدوجہد کرے خصوصاً ان دعاؤں کی کثرت سے تلاوت کی جائے جو راہ میں معاون ہیں جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے

"اللھم عرفنی نفسک فانک ان لم تعرفنی نفسک لم اعرف نبیک اللھم عرفنی نبیک فانک ان لم تعرفنی نبیک لم اعرف حجتک اللھم عرفنی حجتک فانک ان لم تعرفنی حجتک ضللت عن دینی"

ترجمہ "خدایا! مجھے اپنی ذات کی معرفت عطا فرما کیونکہ اگر تو مجھے اپنی ذات کی معرفت عطا نہ کرے تو میں تیرے نبیؐ کی معرفت حاصل نہیں کر سکتا خدایا! مجھے اپنے نبیؐ کی معرفت عطا فرما کیونکہ اگر تو مجھے اپنے نبیؐ کی معرفت عطا نہ کرے تو میں تیری حجتؑ (حجت زمانہ) کو نہیں پہچان سکتا خدایا! مجھے اپنی حجتؑ کی معرفت عطا فرما دے کیونکہ اگر تو مجھے اپنی حجت علیہ السلام کی معرفت عطا نہ کرے تو میں اپنے دین سے گمراہ ہو جاؤں گا"۔

"عن ابی عبداللہ علیہ السلام فی قول اللہ عزوجل من یوت الحکمہ فقد اوتی خیرا کثیرا فقال طاعۃ اللہ و معرفۃ الامام"

فرمایا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس آیت کے متعلق جس کو حکمت دی گئی اسے خیر کثیر دی گئی اس حکمت سے مراد اللہ کی اطاعت اور معرفت امام علیہ السلام ہے (اصول کافی ج ا کتاب الحجت ص ۳۱۲)

اطاعت

قرآن و حدیث کی رو سے امام علیہ السلام کی اطاعت کو مطلقاً واجب قرار دیا گیا ہے لیکن غیبت کبریٰ کے زمانے میں یہ ذمہ داری اور بھی سنگین ہو جاتی ہے "عن ابی جعفر علیہ السلام فی قول اللہ عزوجل واتینا ھم ملکا عظیما قال الطاعۃ المفروضۃ"

آیت مبارکہ اور ہم نے ان کو ملک عظیم دیا کے متعلق حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ اس سے مراد ہماری وہ اطاعت ہے جو لوگوں پر فرض کی گئی ہے (اصول کافی ج ا کتاب الحجت ص ۳۱۲)

تعجیل ظہور کی دعا

حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور میں جلدی کی کثرت سے دعائیں مانگیں کیونکہ خود وارث زمانہ علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ "اکثروا الدعاء بتعجیل الفرج فان ذلک فرجکم" ظہور میں تعجیل کے لیے بہت زیادہ دعا کرو کیونکہ تمہارے امور کی کشائش اسی میں ہے علاوہ ازیں دعا فرج کی تلاوت کی تاکید کی گئی ہے جو اکثر دعاؤں کی کتابوں میں درج ہے۔

انتظار

حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کا انتظار افضل ترین عبادت ہے۔ حضرت

امام محمد تقی علیہ السلام فرماتے ہیں ہمارا قائم مہدی علیہ السلام ہے ان کے غائب ہونے کے دوران ان کا انتظار کرنا واجب ہے اور اس کا اجر و ثواب آئمہ علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص ہمارے امر (حکومت) کا منتظر ہے وہ اس شخص کی مانند ہے جو راہ خدا میں اپنے خون میں غلطاں ہوتا ہے۔ بس یہ انتظار اس طور ہونا چاہیے کہ کسی لحہ بھی غافل نہ ہوا جائے۔ حضرت صادق آل محمد علیہم السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ "وانتظروا الفرج صباحاً و مساء" تم لوگ صبح و شام ظہور کا انتظار کرو۔

اشتیاق زیارت

شیعان اہل بیت علیہم السلام کا امام علیہ السلام کی غیبت میں ایک خاص فریضہ آپ کے جمال مبارک کا اشتیاق رکھنا اور اس شوق کا اظہار کرنا بھی ہے ہر وقت دل میں ان کے دیدار کی تڑپ ہونی چاہیے اپنے آقا سے محو گفتگو ہونے کے لیے ہر جمعہ کی صبح بعد نماز فجر دعائے ندبہ (جو امام علیہ السلام کے فراق میں تڑپنے والوں کا نوحہ ہے) کی تلاوت کرے۔ جس کے کلمات ہیں بارالہا! ہم تیرے ناچیز بندے تیرے اس ولی کی زیارت کے مشتاق ہیں کہ جو تیری و تیرے رسولؐ کی یاد تازہ کرتا ہے۔

دعا برائے سلامتی امام زمانہ علیہ السلام

ایک سچے مومن اور شیعہ کا فریضہ یہ ہے کہ وہ اپنی دعاؤں میں اپنے ہادی اور آقا کی سلامتی کا خواہاں رہے خاص طور سے سلامتی امام زمانہ علیہ السلام کے لیے کثرت سے جس دعا کی تلاوت کا حکم دیا گیا ہے وہ یہ ہے "اللھم کن لولیک الحجۃ ابن الحسنؑ صلواتک علیہ و علی آبائہ فی ھذہ الساعۃ و فی کل ساعۃ ولیا و حافظا وقائدا وناصرا و دلیلا و عینا حتی تسکنہ ارضک طوعا وتمتعہ فیھا طویلا"

صدقہ برائے سلامتی امام زمانہ علیہ السلام

ایک اور پسندیدہ فریضہ جس کی تاکید ہمارے پیشوایان دین نے کی ہے وہ ہے امام علیہ السلام کی سلامتی کی نیت سے صدقہ دینا ہے صدقہ بذات خود ایک محبوب عمل ہے اور سلامتی امام علیہ السلام کی نیت سے اس کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ اللہ کے نزدیک امام علیہ السلام کے لیے مال خرچ کرنے سے زیادہ محبوب چیز اور کوئی نہیں ہے تحقیق جو مومن اپنے مال سے ایک درہم امام علیہ السلام کی خاطر خرچ کرے خداوند بہشت میں اُحد کے پہاڑ کے برابر اسے اس کا بدلہ دے گا (اصول کافی ج ۱ ص ۴۲۵)

اتباع نائبین امام علیہ السلام

غیبت کبریٰ کے زمانے میں امام زمانہ علیہ السلام کا کوئی شخص بھی نائب خاص نہیں بلکہ فقہاء جامع الشرائط ہی حضرت علیہ السلام کے عام نمائندے ہیں چنانچہ ان کی اتباع واجب ہے (جسے فقہی اصطلاح میں تقلید کا نام دیا جاتا ہے) خود وارث زمانہ علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے ہماری غیبت کبریٰ میں پیش آنے والے حالات و مسائل کے سلسلہ میں ہماری حدیثوں کو بیان کرنے والے علماء (فقہاء) کی طرف رجوع کرو اس لیے کہ وہ اس ہماری طرف سے آپ پر حجت ہیں اور ہم اللہ کی طرف سے ان پر حجت ہیں۔

امام علیہ السلام کا نام لینے کی ممانعت

امام آخر الزمان علیہ السلام کا نام خاتم الانبیاءؐ کے نام پر ہے لیکن احادیث میں حضرت کا نام پکارنے سے منع کیا گیا ہے بلکہ آپؑ کے جو القاب ہیں ان میں سے کسی لقب کے ذریعے آپ کو پکارے حجت العصر علیہ السلام، مہدی علیہ السلام، قائم علیہ السلام، منتظر علیہ السلام، امام غائب علیہ السلام۔

احتراماً کھڑے ہونا

جب صاحب الزمان علیہ السلام کا تذکرہ آئے خصوصاً جب آپؑ کے القابات میں سے قائم علیہ السلام کا لقب پکارا جائے تو استقبال کے لیے کھڑے ہو جانا سنت آئمہ علیہ السلام ہے کیونکہ جب دعبل خزاعی نے آٹھویں امام علیہ السلام کی خدمت میں اپنا قصیدہ پیش کیا تھا تو جیسے ہی آخری امام علیہ السلام کا نام آیا تو آٹھویں امام علیہ السلام احتراماً کھڑے ہو گئے تھے۔

مشکلات میں امام زمانہ علیہ السلام کو وسیلہ بنانا

خدا سے سوال کرتے وقت خصوصاً پریشانیوں میں امام علیہ السلام کے حق کی قسم دے کر حاجات طلب کرنا یا امام علیہ السلام کی خدمت میں عریضہ کی صورت میں

حاجات پیش کرنا خود وارث زمانہ علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے "وبی یدفع الله عزوجل البلاء عن اهل و شیعتی" اور خدائے عزوجل میرے ذریعے ہی میرے اہل وعیال اور میرے شیعوں سے مصائب کو دور کرتا ہے۔

امام علیہ السلام پر کثرت سے درود بھیجنا

حضرت امام مہدی علیہ السلام پر درود وسلام زیادہ بھیجا جائے خاتم الانبیاءؐ سے ابن حجر کی نقل کرتے ہیں کہ حضرتؐ نے ارشاد فرمایا "لا تصلوا علی الصلاۃ البترا فقالوا وباالصلوۃ البتر اقال تقولون اللھم صل علی محمد بل قولا اللھم صل علی محمد وآل محمد" مجھ پر ناقص اور دم بریدہ صلوات نہ بھیجا کرو اصحابؓ نے عرض کی وہ ناقص صلوات کیا ہے؟ فرمایا فقط "اللھم صل علی محمد" کہو اس سے آگے نہ پڑھو اور رک جاؤ بلکہ یوں کہو "اللھم صل علی محمد وآل محمد"۔ (صواعق محرقہ ص ۱۴۴) اور چونکہ یہ آخری امام علیہ السلام کا دور ہے تو خاص طور پر ہر نماز کے بعد آپ علیہ السلام پر درود وسلام پڑھا جائے۔

غیبت میں کثرت سے امام مہدی علیہ السلام کا ذکر کرنا

غیبت کبریٰ میں امام علیہ السلام کے فضائل وکمالات کو بہت بیان کیا جائے کیونکہ آپ اس دور میں ولی نعمت ہیں اپنی مجالس اجتماعات، محافل اور عبادات میں آپ علیہ السلام کے ذکر سے لوگوں کے دلوں کو تازہ کریں اور حضرت علیہ السلام کا حامی اور دوست بنائیں امام علیہ السلام کی نصرت کے لیے ہر مومن خود بھی تیار رہے اور دوسروں کو بھی آمادہ کرے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام جمعہ کے دن نماز ظہر کے قنوت میں یہ دعا پڑھتے تھے۔

"اللھم اصلح عندک وخلیفتک بما اصلحت به انبیائک و رسلک وحفه بملائکتک وایده بروح القدس من عندک واسلکه من بین یدیه و من خلفه رصدا یحفظونه من کل سوء و ابدله من بعد خوفه امنا بعدک لا یشرک بک شیا ولا یجعل لاحد من خلقک علی ولیک سلطانا و اذن له فی جهاد عدوک وعدوه واجعلنی من انصاره ان علی کل شی قدیر"

ترجمہ "پروردگارا! جن وسائل سے تو نے اپنے انبیاءؑ اور مرسلین کے حالات کی اصلاح فرمائی ہے اپنے عبد خاص اور جانشین کے حالات کی بھی اصلاح فرما ملائکہ اس کے گرد رہیں اور روح القدس اس کی تائید کرے اس کے سامنے اور پس پشت ایسے محافظ رہیں جو اسے ہر مصیبت اور آفت سے بچاتے رہیں اس کا خوف امن سے تبدیل کر دے وہ تیری عبادت میں سرگرم رہے اور شرک کا کوئی شائبہ نہ رہے کسی شخص کو تیرے ولی علیہ السلام پر اقتدار حاصل نہ ہو اور اسے اپنے اور اس کے دشمن سے جہاد کی اجازت دے دے اور ہمیں اس کے اعوان وانصار میں قرار دے تو کائنات کی ہر شئے پر قادر ہے"۔

دشمنوں سے مقابلے کے لیے مسلح رہنا

حضرت امام مہدی علیہ السلام جب ظہور فرمائیں گے تو دشمنوں سے جنگ کرنا پڑے گی ایک سچے منتظر کو چاہیے کہ انتظار کے ساتھ ساتھ جنگی آلات مہیا کر کے رکھے اگر چہ ایک تیر ہی کیوں نہ ہو (بحارالانوار ج ۲۹ ص ۹۲)

امام علیہ السلام کی نیابت میں مستحبات کی انجام دہی

غیبت کبریٰ کے زمانے میں امت کا ایک فریضہ یہ بھی ہے جسے ہمارے اسلاف اور علماء انجام دینے میں بہت ہی اہتمام کیا کرتے تھے کہ شیعہ ہر مستحب عمل حضرت امام مہدی علیہ السلام کی نیابت کی نیت سے ادا کرے تلاوت قرآن پاک، نوافل نبی اکرمؐ اور آئمہ علیہم السلام کی زیارت آپ علیہ السلام کی نیابت میں حج وغیرہ بجالانا یا کسی کو نائب بنا کر بھیجنا خانہ کعبہ کا طواف کرنا اور اگر استطاعت رکھتا ہو تو عید الاضحیٰ کے موقع پر امام زمانہ علیہ السلام کی نیابت میں قربانی کرے۔

حضرت امام مہدی علیہ السلام کی زیارت پڑھنا

مومن کو چاہیے کہ ہر روز صبح نماز کے بعد امام صاحب العصر والزمان علیہ السلام کی یاد میں زیارت پڑھے (مفاتیح الجنان ص ۱۳۵)

زیارت جامعہ کبیرہ پڑھنے کی بھی تاکید کی گئی ہے جسے شیخ صدوق نے من لا یحضرہ الفقیہ میں نقل کیا ہے اور مفاتیح اور زیارات کی دیگر کتب میں بھی موجود ہے (مفاتیح الجنان ص ۷۲۵)

تجدید بیعت

مومن کو چاہیے کہ ہر وقت یا جب بھی موقع ملے حضرت امام مہدی علیہ السلام کے

ساتھ تجدید بیعت کرے بیعت کی نیت سے اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھے اور کہے اے امام علیہ السلام میں آپ کا مومن ہوں آپ کے پروگرام کا حامل ہوں میری اس سے جنگ ہے جس سے آپ کی جنگ ہے آپ کے انصار اور آپ کے مشن کی خاطر کام کرنے والوں کی حمایت کا اعلان کرتا ہوں یا ہر روز نماز صبح کے بعد دعائے عہد پڑھ کر امام علیہ السلام کے ہاتھ پر اپنی بیعت کو مضبوط بنائیں (دعائے عہد مفاتیح الجنان ص ۴۳۵)

توبہ کے پروگرام

اُمت کے اعمال ہر روز یا ہر شب جمعہ امام زمانہ علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے کہ "اعملو فسیری الله عملکم و رسولہ والمومنون" راوی کہتا ہے میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ آیہ "اعملوا......الخ" میں مومنوں سے کون مراد ہیں فرمایا وہ آئمہ ہیں (اصول کافی ج ا ص ۲۵۴)

انسان چونکہ غیر معصوم ہیں دن میں کئی گناہ انسان سے سرزد ہو جاتے ہیں تو ہر رات سونے سے پہلے اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے ہوئے گناہوں پر توبہ کرے تا کہ اس سے پہلے کہ ہمارے اعمال نامے امامؑ کی خدمت میں پیش ہوں ان سے گناہ مٹ جائیں بلکہ غیبت کبریٰ میں توبہ کے اجتماعی پروگرام منعقد کرنے چاہیے کیونکہ اجتماعی عبادت قبولیت کے بھی زیادہ قریب ہوتی ہے اور اس کا اجر وثواب بھی کئی گنا ہوتا ہے مثلاً ہر شب جمعہ کوئی مومن دعائے کمیل کا اہتمام کرے۔

علماء اپنے علم کو ظاہر کریں

علماء اپنے علم کو ظاہر کریں جو جاہل اور ناواقف ہیں ان کو سکھائیں کہ وہ کس طرح اپنے مخالفین کو جواب دیں علماء کی ذمہ داری ہے کہ غیبت کبریٰ کے زمانے میں لوگوں کو گمراہی سے بچائیں اور بھٹکے ہوؤں کو راستہ دکھائیں دشمنان اسلام کے علمی حملوں کا جواب دیں لوگوں کو امام زمانہؑ کی حکومت کیلئے تیار کریں ظلم اور ظالموں کو نابود کرنے کیلئے افراد امت کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کریں تا کہ منظم ہو کر دشمنوں کا مقابلہ کر سکیں حدیث میں ہے کہ جو شخص ہمارے شیعوں کے دلوں کو مضبوط کرے وہ ایک ہزار عبادت گزاروں سے بہتر ہے اور فرمان رسولؐ ہے جب میری امت میں بدعتیں ظاہر ہو جائیں تو عالم پر واجب ہے کہ وہ اپنے علم کو ظاہر کرے اور اگر ایسا نہ کرے گا تو اس پر خدا کی لعنت ہے (اصول کافی ج ا ص ۸۵_۹۳)

جھوٹے دعویداروں کو جھٹلانا

اگر کوئی غیبت کبریٰ کے زمانے میں دعویٰ کرے کہ وہ امام زمانہ علیہ السلام کا خصوصی نائب ہے تو اسے جھٹلایا جائے اسی طرح جامع الشرائط فقیہ کے علاوہ کوئی شخص کسی کام کا حکم دے اور امام علیہ السلام سے منسوب کرے کہ امام علیہ السلام نے مجھے کہا ہے کہ میں لوگوں کو اس کا حکم دوں تو اسے بھی جھٹلایا جائے۔

ظہور کا وقت معین نہ کرنا

روایات میں امام زمانہ علیہ السلام کے ظہور کا وقت معین نہیں کیا گیا پس اگر کوئی شخص ایسا کرے تو اسے جھٹلایا جائے۔

مال امام علیہ السلام کی ادائیگی

غیبت کبریٰ میں امام زمانہ علیہ السلام کا جو مالی حق ہے یعنی خمس کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے خصوصاً خمس کا جو حصہ مال امام علیہ السلام ہے اسے امام زمانہ علیہ السلام کے مشن کی ترویج کرنے پر خرچ کریں (یہ حکم علماء کے لیے ہے عوام پر خمس کا نائب امام علیہ السلام یعنی مجتہد تک پہنچا دینا ہی کافی ہے)

امام العصر علیہ السلام سے محبت کا اظہار کرنا

غیبت کبریٰ کے زمانے میں امام زمانہ علیہ السلام سے محبت کا اظہار کرے جیسا کہ حدیث معراجیہ میں ہے اور یہ اظہار صرف زبان سے ہی نہ ہو بلکہ اعضاء و جوارح سے بھی ہو جیسا کہ خود حضرت امام مہدی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ "فلیعمل کل امری منکم ما یقرب بہ من محبتنا" پس تم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ ایسے کام کرے جو تمہیں ہماری محبت سے قریب تر کریں۔

آپ علیہ السلام کے فراق میں غمگین رہنا

سچا مومن امام علیہ السلام کی جدائی اور فراق پر نہ صرف یہ کہ غمگین رہتا ہے بلکہ گریہ کناں رہتا ہے دعائے ندبہ کے کلمات ہیں کس قدر گراں ہے مجھ پر کہ یہ بدقسمت آنکھیں ساری خلقت کا تو مشاہدہ کریں لیکن تیرے دیدار سے محروم رہیں۔ کس قدر گراں ہے مجھ پر کہ تیرے غیر سے جواب سنوں اور تیری گفتار سے محروم رہوں۔ کس قدر مشکل ہے میرے لیے کہ تیری یاد میں گریہ کروں اور لوگ تیری

یاد سے غافل ہوں۔

آیا کوئی ہے میری مدد کرنے والا؟ جو میرے ہم گریہ و نالہ ہو سکے؟

آیا کوئی ایسی چشم اشک بار ہے کہ میری آنکھوں کا ساتھ دے سکے؟

اے فرزند احمدؐ! کیا آپ علیہ السلام تک پہنچنے کی کوئی راہ ہے؟

آپ علیہ السلام کی غیبت پر اظہار رضایت

مومن کو چاہیے کہ امام زمانہ علیہ السلام کے معاملے میں تسلیم ہو اور یہ عقیدہ رکھے کہ آپ علیہ السلام خداتعالیٰ کی حکمت اور مصلحت سے غائب ہیں اس پر رضایت اور سر تسلیم خم کرنا چاہیے اعتراض کے طور پر زبان شکوہ نہ کھولی جائے اور نہ ہی آپ علیہ السلام کی طولانی غیبت سے مایوس ہو۔

امام علیہ السلام کی مظلومیت پر افسردہ ہونا

شیخ صدوقؒ نے اکمال الدین میں حدیث نقل کی ہے جو شخص ہمارے لیے غمناک ہو اور ہماری مظلومیت پر ٹھنڈے سانس لے افسردہ ہو اس کے سانس لینے کا ثواب تسبیح کا ثواب رکھتا ہے۔

ایمان پر ثابت قدم رہنا

غیبت کبریٰ کے زمانے میں امت کی ذمہ داری ہے کہ دین پر مستحکم رہے ایمان کی بقاء کے لیے کوشش کرتا رہے باطل کی رنگینیوں پر نہ جائے۔ ایک مرتبہ خاتم الانبیاءؐ نے اصحابؓ سے سوال کیا سب سے قابل تعجب ایمان کس کا ہے؟ اصحابؓ نے کہا انبیاء کا، آپؐ نے فرمایا انبیاؑ تو خدا کے برگزیدہ بندے ہیں ان کا ایمان جتنا بھی زیادہ ہو ان کے لیے مناسب ہے اس میں تعجب کی کیا بات؟ پھر اصحابؓ نے عرض کیا ملائکہ کا ایمان، آپؐ نے فرمایا ملائکہ تو معصوم مخلوق ہیں ان کے ایمان میں تعجب کیسا؟ پھر اصحابؓ نے عرض کی یا رسولؐ اللہ ہمارا ایمان قابل تعجب ہے کہ ہم نے آپؐ سے دین کو حاصل کیا آپؐ نے فرمایا تمہارے ایمان میں تعجب کی کیا بات ہے میں تمہارے درمیان موجود ہوں تم مجھے دیکھ رہے ہو مجھ سے کسب فیض کر رہے ہو پھر اصحابؓ نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ! آپؐ ہی ارشاد فرمایئے کہ کس کا ایمان قابل تعجب ہے؟ آپؐ نے فرمایا میری امت کے وہ افراد جو میرے آخری فرزند کے زمانے میں ہوں گے ان کا ایمان قابل تعجب ہے اس لیے کہ زمانہ اتنا نازک آجائے گا کہ ہاتھ پر انگارہ رکھنا آسان ہوگا لیکن ایک دن اپنے ایمان کی حفاظت کرنا مشکل ہو جائے گا۔

(نوٹ: مندرجہ بالا واقعہ میں مفہوم حدیث بیان کیا گیا ہے بعینہ الفاظ نہیں)

مصائب کو برداشت کرنا

امت کا فریضہ ہے کہ دشمنوں کی طرف سے جو مصائب آئیں ان کا ڈٹ کر مقابلہ کرے حضرت امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو مومن بارہویں امام علیہ السلام کی غیبت کے زمانہ میں دشمنوں کی اذیت اور ان کے حقائق کے جھٹلانے پر صبر کرے برداشت سے کام لے اور نہ گھبرائے وہ ایسے ہے جس طرح اس نے حضرت رسولؐ خدا کی ہمراہی میں جہاد کیا ہو (اکمال الدین ج ا ص ۱۲۷)

- امام زمانہ علیہ السلام کے مشن کے لیے کام کرنے والوں کی مدد کرنا اور ان کی صحت و سلامتی کے لیے دعا مانگنا۔
- امام مہدی علیہ السلام کے مشن و پروگرام کے مخالفین پر نفرین کرنا۔
- امام علیہ السلام کے اعوان و انصار میں سے ہونے کی دعا مانگنا۔
- مجالس میں یا اجتماعات میں امام علیہ السلام کے لیے جب دعا مانگی جائے تو بلند آواز میں مانگی جائے۔
- خدا سے یہ دعا مانگی جائے کہ خدایا! مجھے ایمان کی حالت میں حضرت قائم آل محمد (عج) کی ملاقات و زیارت نصیب فرما۔

امام علیہ السلام کے مشن کی ترویج کے لیے کچھ افراد اپنے کو وقف کریں اسلام کی مکمل معلومات حاصل کریں یعنی عالم دین بنیں تا کہ علوم محمدؐ و آل محمدؑ کی نشر و اشاعت کے ذریعے لوگوں کے اذہان میں صحیح عقائد کو راسخ کیا جائے اور گمراہی و بے راہ روی سے بچایا جائے۔

استعمار اور طاغوتی طاقتوں سے مرعوب نہ ہو اور نہ ہی اسلام دشمن عناصر کے پروپیگنڈے کا اثر قبول کرے بلکہ فحاشی اور عریانی کا مقابلہ کرنے کیلئے نیٹ پر ایسے چینلز دکھائے جائیں جن پر ایسا اسلامی مواد نشر کیا جاتا ہو جو نوجوانان ملت کے فکر کو بھٹکنے سے بچائے خصوصاً موجودہ دور جو ترقی کا دور ہے میڈیا کے ذریعے افراد کو مقصد حیات سے غافل کیا جا رہا ہے۔

(باقی ص نمبر 47 کالم نمبر 2 پر) ☆

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی شخصیت اور علمی فیوض

سید انتصار مہدی نقوی

ابتدائیہ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی شخصیت اور علمی فیوض کے عنوان پر اس مقالہ کو میں زیارت جامعہ کے چند کلمات سے شروع کرنا چاہتا ہوں۔

"السلام علیکم یا اھل بیت النبوۃ وموضع الرسالۃ..... کلامکم نور وامرکم رشد، وصیتکم التقوی وفعلکم خیر وعادتکم الاحسان..... ان ذکر الخیر کنتم اولہ واصلہ وفرعہ ومعدنہ وماویہ ومنتھا" (مفاتیح الجنان)

ترجمہ "سلام ہو آپ پر اے نبوت کے گھر والو اور پیغام ربانی کے مرکز۔ آپ کی گفتگو سراپائے نور، آپ کا فرمان ہدایت کا سرچشمہ، آپ کی نصیحت تقویٰ کے بارے میں آپ کا عمل خیر ہی خیر، آپ کی عادت احسان کرنے کی ہے جب کبھی نیکیوں کا تذکرہ ہو تو آپ حضرت سے ہی ان کی ابتداء ہوتی ہے اور انتہا بھی اس کی اصل بھی آپ ہیں اور مخزن اور مرکز اور انتہا بھی آپ ہیں (ترجمہ رضی جعفر)

زیارت جامعہ محمدؐ وآلِ محمدؐ کا قصیدہ ہے، حضرت امام علی النقی علیہ السلام کا ہم پر احسان ہے کہ انہوں نے اپنے انتہائی فصیح و بلیغ کلام میں زیارت جامعہ کی تدوین کی جو حقائق اور معرفت کا بے پایاں سمندر ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی شخصیت زیارت جامعہ میں بیان کردہ ان خصائص کی مجسم تصویر ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی ہمہ گیر شخصیت کا احاطہ ناممکن ہے۔ اس مختصر مقالہ اور تیز رفتار زندگی کے تقاضوں کے پیش نظر اختصاراً حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی شخصیت کے چند اہم گوشوں کا تعارف، نشر علوم، تدوین۔ فقہ اور دانشگاہ جعفری کے فیوض اور امامؑ کے چند شاگردوں کی علمی خدمات کا ایک تعارفی جائزہ مقصود ہے۔

مختصر حالات

جعفر کے معنی نہر کے ہیں۔ گویا قدرت کی طرف سے اشارہ ہے کہ آپ کے علم و کمالات سے دنیا سیراب ہو جائے گی۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی تاریخ ولادت ۱۷ ربیع الاول پر سب کو اتفاق ہے مگر سال ولادت میں اختلاف ہے۔ روایت رجال کے بموجب سنہ ولادت ۸۰ھ ہے جبکہ محمد ابن یعقوب کلینیؒ اور شیخ صدوقؒ کا اتفاق ۸۳ھ پر ہے۔ آپ نے بفضلِ خدا ۶۵ سال عمر پائی اور مدت امامت ۳۴ سال رہی (۱۱۴ھ تا ۱۴۸ھ) چہاردہ معصومینؑ میں طویل عمر اور عہد امامت کے حوالے سے آپ کی امتیازی خصوصیت ہے۔

آپ کی مادرگرامی جناب ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابوبکر تھیں۔ اپنی والدہ کی عظمت کا ذکر کرتے ہوئے خود حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا "میری والدہ ایک باایمان باتقویٰ اور نیک خاتون تھی"۔

صاحب مروج الذہب کے حوالہ سے ان معظمہ کی عظمت اور مرتبہ کیلئے یہی کافی ہے کہ خود حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے آپ کے والد قاسم سے اپنے لئے خواستگاری کی تھی۔ آپ کی مشہور کنیت عبداللہ ہے اور بے شمار القاب میں "الصادقؑ" زیادہ مشہور ہے۔ آپ کے ۷ بیٹے یعنی اسماعیل، عبداللہ، موسیٰ بن کاظم، اسحاق، محمد (الدیباج)، عباس اور علی، اور تین بیٹیاں ام فروہ، اسماء و فاطمہ تھیں۔ آپ کے دو ازواج مطہرات میں ایک فاطمہ بنت الحسین امام علی زین العابدینؑ کی پوتی تھیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے دورِ امامت میں بنی امیہ کے سلاطین میں ہشام بن عبدالملک، ولید بن یزید بن عبدالملک، یزید بن ولید، مروان حمار اور خاندان بنی عباس کے ۲ افراد ابو العباس السفاح اور منصور دوانیقی تھے۔ ان میں عبدالملک کے بیس سال کا عہد اور منصور دوانیقی کے دس سال شامل ہیں۔

منصور دوانیقی ایک خودسر اور ظالم حکمران تھا۔ آئمہ اہلبیت علیہم السلام اور ان کے دوستوں پر حاکمانِ وقت کے مظالم کے سلسلے میں صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ "ایک سیلِ خوں رواں ہے حمزہؑ سے عسکریؑ تک" منصور نے امامؑ کو قتل کرنے کی کئی مرتبہ کوشش کی۔ بالآخر اس کے حکم پر حاکم بن سلیمان نے آپؑ کو زہر دے دیا جس سے ۱۵ رجب ۱۴۸ھ کو آپؑ کی شہادت واقع ہوئی۔ بعض مورخین کے بموجب تاریخِ شہادت ۱۵ شوال ہے۔

شخصیت کی عظمت

شیعہ عقیدہ کی رو سے امامت کسبی نہیں بلکہ وہبی وصف ہے یعنی اس کا تعین خود اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور ایک امام دوسرے آنے والے کی نشان دہی کرتا ہے اس عمل کو (نص) کہتے ہیں یعنی منشائے الٰہی کا اظہار۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے بارے میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی بے شمار نصوص معتبر کتابوں میں ملتی ہیں (شیخ مفید۔ الارشاد، بحارالانوار وغیرہ)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی عظیم شخصیت پر مسلسل اور انتھک کام کرنے کی ضرورت ہے۔ آئمہ علیہ السلام کی زندگی کا ہر قدم ہمارے لئے مشعلِ راہ ہے ان کی زندگی کا ہر پہلو صحیفۂ رشد و ہدایت ہے۔ ان حضرات نے اپنی زندگیاں اطاعتِ خدا اور رسولؐ میں وقف کردی تھی اور وحیِ الٰہی اور تعلیماتِ نبویؐ کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا۔ امامؑ کی حیاتِ طیبہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تاریخِ اسلام ہی نہیں بلکہ تاریخِ بشریت کی یہ قد آور شخصیت اپنے علم و عمل سے انسانیت کو کس قدر فیض بخشتا ہے۔ اس کا اندازہ امامؑ سے متعلق ان آراء سے ہوسکتا ہے جس کا اظہار مختلف مفکرین نے وقتاً فوقتاً کیا ہے اس کی چند مثالیں حسبِ ذیل ہیں۔

تصانیف

نورالمشرقین من حیاۃ الصادقین میں آغا سلطان مرزا نے (اعیان الشیعہ) کے حوالہ سے امامؑ کی تصانیف کی طویل فہرست دی ہیں ان میں سے چند مشہور حسبِ ذیل ہیں (۱۵۰ تصانیف۔ ۸۰ بلاواسطہ اور ۷۰ بالواسطہ)

۱۔ رسالہ عبداللہ ابن النجاشی ۲۔ رسالہ مروی عن الاعمش ۳۔ رسالہ توحید مفضل ۴۔ کتاب الاہلیلجہ

ان کے علاوہ امامؑ کے مختلف دینی اور لادینی طبقات اور دہریوں سے مناظروں کی ایک طویل فہرست بھی ہے جس میں اعترافاتِ طبیب ہندی، امام ابو حنیفہ سے مناظرہ، صوفیوں کے گروہ سے مناظرہ اور مشہور دہریہ ابوشاکر دیصانی سے مناظرہ قابلِ ذکر ہیں۔

واقعہ حضرت زید اور سیاسی بصیرت

امامؑ کی شخصیت کے مطالعہ میں ان کی سیاسی بصیرت بھی زیرِ بحث آتی ہے۔ اس ضمن میں قاتلانِ امام حسینؑ کے خلاف حضرت زید ابن علی ابن الحسینؑ کا معرکہ ایک اہم واقعہ ہے۔ واقعہ کربلا کے بعد بنو حسن اور بنو حسین مدینے میں نہایت قلیل آمدنی پر گوشہ تنہائی میں گزارہ کرتے تھے سیاست میں مطلقاً حصہ نہیں لیتے تھے۔ ان کے علم و فضل اور زہد و عبادت کی وجہ سے لوگ ان کی بہت عزت کرتے تھے جس کی وجہ سے بنوامیہ اور بنوعباس ان کے مخالف تھے۔ انہیں طرح طرح سے اذیت دیتے تھے۔ بالآخر زید اور ان کے بیٹے یحییٰ کو بنوامیہ کے مسلسل ظلم نے تلوار سے اپنی حفاظت کرنے پر مجبور کردیا (جسٹس امیر علی ہسٹری آف سارا سن)

جناب زید خاندانِ اہلبیتؑ کے ایک اہم فرد تھے اور علم حدیث اور فقہ میں آپؑ کا رتبہ بہت بڑا تھا۔ ۴۲ سال کی بھرپور جوانی میں بنوامیہ کے خلاف جہاد کیا اور ۱۲۲ھ میں شہادت پر فائز ہوئے زید کے بعد ان کے بیٹے یحییٰ نے ان کی تحریک کو جاری رکھنے کی کوشش کی لیکن ۱۲۵ھ میں وہ بھی شہید ہوگئے۔

زید کے مجاہدہ کے اس حساس معاملہ میں امامؑ کی پالیسی سمجھنے کیلئے یہ نکتہ پیشِ نظر رکھنا چاہیے کہ امامؑ نے اپنی آنکھوں سے خوارج کا فتنہ دیکھا تھا، اس فتنہ نے اہلِ مدینہ کو جس کرب میں مبتلا اور شدت و معصیت سے دوچار کیا تھا وہ بھی دیکھا۔ علمِ امامت سے وہ محمد نفس ذکیہ اور ابراہیم اور یحییٰ بن زید کے مستقبل سے واقف تھے جس میں باطل کی سرکوبی کی کوئی علامت نہیں تھی۔ ان حالات میں گو امامؑ زید کی تحریک میں عملاً شریک نہیں تھے وہ ان کی کامیابی کے آرزومند تھے۔ اس ضمن میں امامؑ کا یہ بیان قابلِ غور ہے "اللہ تعالیٰ زید پر رحم فرمائے، وہ مومن تھے،

عارف تھے، عالم تھے، صادق تھے۔ اگر وہ کامیاب ہو جاتے تو وفائے عہد کرتے، اگر حکومت ان کے ہاتھ آجاتی تو اس ذمہ داری کو خیر خوبی کے ساتھ وہ انجام دے کر دکھا دیتے" اس بیان میں وفائے عہد کلیدی الفاظ ہیں جو حضرت زید کی نیک نیتی پر سند ہیں۔ زید کے ساتھ امام کی عدم شرکت کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو علم کی اشاعت اور فقہ کی تدوین جیسے اعلیٰ اہداف کی تکمیل کیلئے وقف کرنا چاہتے تھے جس کے نتائج دوامی نوعیت کے تھے۔

تدوین فقہ ایک جائزہ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے تذکرہ میں ذہن فوری فقہ جعفری کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے کیونکہ تدوین فقہ کی کوشش حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے حوالہ کے بغیر نا ممکن سمجھی جاتی ہے۔ مکتب تشیع کی فقہ یعنی فقہ جعفری تو اپنی وجہ تسمیہ ہی سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی مرہون منت اور احسان مندی ظاہر کرتی ہے۔

عربی میں فقہ کے لغوی معنی علم و فہم ہے اور فقیہ کے معنی عالم ہیں لیکن مرور زمانہ کے ساتھ اصطلاحاً اس سے دینی مسائل اور استدلالی علم مراد لیا جاتا ہے۔ جس میں احکام شریعہ کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ یہ احکام واجب، مستحب، حرام، مکروہ، اور مباح کے محور کے اطراف اپنے میں سبب، شرط، مانع، صحت بطلان، رخصت اور عزیمت کے پہلو لئے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ تمام فقہی اصطلاحات ہیں جن کی تفصیل متعلقہ کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔ فقہ کی اس مختصر تشریح کے بعد اب تدوین کا مطلب جمع کرنا یا مرتب کرنا ہے۔ اس لحاظ سے جب ہم تدوین کی نسبت سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا نام لیتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے فقہ محمدیہ کے احکام کو جمع اور مرتب کیا کہ وہ ایک مستقل علم بن گیا۔

اسلامی تاریخ میں فقہ کی تدوین کے چند واضح ادوار نظر آتے ہیں۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی علمی فیوض کو سمجھنے کیلئے فقہ اسلامی کے تدریجی ارتقاء کا مطالعہ ضروری ہے۔ اس کا پہلا سبب عہد حضرت ختمی مرتبت کی ظاہری رسالت سے ۱۱ھ تک محیط ہے۔ جس میں سوائے چند استثنائی واقعات (صلح حدیبیہ، حدیث قرطاس) کے بظاہر مسلمانوں میں کوئی اختلاف نظر نہیں آتا۔

رحلت سرور کائناتؐ کے فوری بعد سب سے بڑا فقہی اختلاف آنحضرت کی جانشینی کے سلسلہ میں نمودار ہوا اس دور میں جو پہلے تین خلفائے راشدین کے زمانہ یعنی تقریباً ۲۴ سال (۳۵ھ) تک پھیلا ہوا ہے قرآن اور سنت کے علاوہ فقہ کے ماخذ میں قیاس اور اجماع کا اضافہ ہوا اور ساتھ ساتھ روایت حدیث پر کڑی پابندی لگادی گئی جس کی وجہ سے قیاس پر زیادہ انحصار ہوا۔ تیسرا دور ۳۵ھ تا ۴۰ھ میں خلافت امیر المومنینؑ کے دوران قرآن و سنت ہی ماخذ فقہ رہے اور اس پر سختی سے عمل کیا گیا۔

تدوین فقہ کا ایک اہم اصول فکری یکسانیت ہے فقہ کی تدوین میں احکامات الٰہیہ اور منشائے قدرت یعنی نص کے تعین کیلئے وصل قول بھی ایک اہم اصول رہا ہے۔ احکام فقہ میں نص کے تعین اور تلاش کے طریقوں پر تفصیلی بحث علامہ رشید ترابی نے (اسلام میں اجتہاد) کے عنوان پر اپنے ایک مقالہ میں کی ہے جو ۱۹۵۷ء میں ایک بین الاقوامی سیمینار میں پیش کیا گیا۔

اثنائے عشری شیعہ عقیدہ کی رو سے اسلام کی اصل تشریح وہی ہے جو وفاتِ پیغمبرؐ کے بعد حضرت امیر المومنینؑ سے لے کر بارہویں امامت تک بلا فصل جاتی ہے۔ بالآخر ہر حکم کا منبع قول معصومؑ ہوتا ہے اور جو کچھ راوی کی زبان پر آئے گا وہ عصمتِ فکر اور معیار صداقت پر پورا اترے گا۔ حضرت علیؑ سے امام حسینؑ تک یہ وصل قول انتہائی بھرپور انداز میں عیاں ہے۔

چوتھا دور ۶۰ھ تا ۱۳۲ھ کا ہے جو بنی امیہ کی خلافت کا زمانہ ہے اس دور میں شہادت امیر المومنینؑ، امام حسنؑ کی ظاہری خلافت سے دستبرداری اور شہادت، سانحہ کربلا و مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی تاراجی کے واقعات دیکھ کر انسان یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ سلاطین بنو امیہ کس فقہ کے پابند تھے۔ جس میں ان باتوں کی انہیں اجازت تھی۔ عمر بن عبدالعزیز کے دور میں البتہ فدک واپس کیا گیا لیکن یہ ثابت نہیں ہو سکا کہ کس فقہ کے تحت چھینا گیا تھا۔

پانچواں طویل دور ۱۳۵ھ سے ۲۶۰ھ یعنی ۱۲۵ سال پر محیط ہے جو دور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی امامت کے ابتدائی زمانے سے شہادت امام حسن عسکریؑ کے بعد تک پھیلا ہوا ہے، سیاسی اور فکری اعتبار سے تاریخ اسلام کا یہ نہایت اہم دور تھا اس زمانے میں بے شمار تاریخ ساز واقعات اور تحریکات رونما ہوئے جس کے نتیجے میں امت مسلمہ بشمول شیعہ فقہی اعتبار سے مختلف مسلکوں میں بٹ گئی۔

اس دور میں روایت حدیث پر کوئی پابندی نہیں تھی اور وقتی مصلحتوں اور حاکمانِ وقت کی سرپرستی کے نتیجے میں وضع حدیث ایک مشغلہ اور پیشہ بن گیا تھا۔ اس دور میں امام حنبل، امام بخاری، امام مسلم، ابو داؤد، ابن ماجہ اور نسائی کی مسانید کی تدوین ہوئی اب وہ صحابہ اور تابعین بھی نہیں رہے جنہوں نے یہ احادیث سنی تھیں اور اصل اور نقل میں تمیز کر سکتے تھے۔ مزید برآں فتوحات اور اسلامی سلطنت کی توسیع اور بڑھتے ہوئے بیرونی روابط کے نتائج میں ایک نیا خلفشار اسلامی فلسفہ میں ایران، روم اور یونان کے فلسفوں کی آمیزش کی صورت میں نمودار ہو گیا تھا۔

تدوین فقہ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس افراتفری کے عالم میں فقہ اسلامی کو اس اصل روح میں محفوظ رکھنا کس کی ذمہ داری تھی؟ واقعہ کربلا اور اس کے تسلسل میں دربار شام میں جناب سیدہ زینبؑ کے خطبہ نے ثابت کر دیا کہ حق اور ناحق اور راستی اور گمراہی میں حد فاصل قائم رکھنے کا فریضہ آئمہ حق نے اپنے ذمہ لے لیا تھا۔ یہ ذمہ داری ان آئمہ نے نہایت منصوبہ بندی سے انجام دی۔ اس کی خاموش ابتداء حضرت امام علی زین العابدینؑ نے اپنی دعاؤں سے کی جن کے ذریعے امت کے افراد کے ذہنوں کی تربیت کا انتظام کیا گیا۔

بعد ازاں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے مدینے میں اپنی درس گاہ میں باقاعدہ درس کا آغاز کیا جس کی بنیادوں کو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے استوار کیا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ آپ کو اپنی ۶۵ سال عمر میں سے تقریباً ۱۲ سال اپنے دادا حضرت علی ابن الحسینؑ کی معیت میں اور پھر ۱۹ سال اپنے والد ماجد کے زیر سایہ گزارنے کا موقع ملا اور پھر خود اپنی امامت کے ۳۴ سال میسر ہوئے۔

اس دوران بنو امیہ اور بنو عباس کو اپنی لڑائیوں میں مشغولیت نے آل محمدؐ کے ساتھ تعرض کا موقع نہیں دیا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس موقعہ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس درس گاہ کو ایک عظیم دانش گاہ کے رتبے تک پہنچا دیا۔ میرے راقم کے اندر کا استاد یہ کہہ رہا ہے کہ اس دانشگاہ کے نصاب کا دستاویز بہت پہلے ہی امام علی زین العابدینؑ نے صحیفہ کاملہ کی شکل میں تیار کر دیا تھا۔

بظاہر یہ دعاؤں کا مجموعہ اپنے اندر حکمت اور دانائی، احکام خداوندی، عبد اور معبود کے تعلقات، حقوق الناس اور تخلیق کائنات جیسے کثیر الجہت عنوانات پر مشتمل تھا جو پڑھنے والوں کو دعوت فکر دیتا ہے محمد ابن یعقوب کلینی نے ۱۶۱۹۹ احادیث پر مشتمل اصول کافی بطور تدریسی مواد مہیا کیا جس کو من لا یحضرہ الفقیہ، تہذیب اور استبصار نے مزید وسعت دی اور اس طرح تقریباً ۶۰ ہزار احادیث پر مشتمل یہ مایہ ناز سرمایہ بنا جس کی موجودگی میں ہمارے علماء کو قیاس اور رائے پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی تدوین فقہ کی انہی کوشش کی بناء پر فقہ محمدیؐ کو فقہ جعفری سے موسوم کیا گیا کیونکہ اس کو فقہ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی سے ممتاز کیا جا سکے۔ یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جب باقی فقہوں کو ریاست کی سرپرستی حاصل تھی فقہ جعفری پر زور مخالفتوں کا مقابلہ کرتی ہوئی پھیلی اور یوں اپنی ترقی کی راہیں طے کرتی رہی۔ اس کی ارتقاء میں قابل ذکر سنگ میل علامہ حلی (ساتویں صدی) علامہ بہبہانی (گیارہویں صدی) شیخ مرتضیٰ (تیرہویں صدی) اور پھر موجودہ دور میں ایران، عراق، بیروت اور دمشق کے حوزہ علمیہ نے اس کی آبیاری کا فریضہ سنبھالا ہوا ہے۔

موجودہ دور میں فقہ جعفری کی اعلیٰ علمی حلقوں میں پذیرائی کی ایک قابل ذکر مثال مصر کی عظیم دانشگاہ جامعہ ازہر کے چانسلر مفتی علامہ شیخ محمود شلتوت کا ایک منصفانہ اور جرأت مندانہ قدم ہے۔ تقریباً بیس سال پہلے انہوں نے یہ نظریہ پیش کیا کہ اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے اور قوی دلیل کی موجودگی میں ایک مذہب یا فقہ کے ماننے والوں کیلئے دوسرے مذہب کی طرف رجوع کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے اور اس بناء پر انہوں نے قانونی طور پر فتویٰ دیا کہ دوسرے مذہب کی طرح شیعہ فقہ پر بھی عمل صحیح ہے ان کا یہ اقدام قدر و منزلت کا متقاضی ہے۔

فقہ جعفری کی برتری کیلئے یہ کہنا کافی ہے کہ دیگر تمام فقہوں کے بانی بالواسطہ یا بلا واسطہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگرد تھے اور اس پر ان کو ناز بھی تھا۔ فقہ جعفری میں دور جدید کی ضروریات کے مطابق اجتہاد کے ذریعے انسانی مسائل کے حل کی تمام صلاحتیں موجود ہیں۔ یہ ایک عادلانہ نظام ہے جو نیکی اور بدی میں تمیز کی راہ بتاتا ہے جہاں سرور کے موقعوں پر خوشی کے اظہار کا ڈھنگ اور آلام و مصائب میں تعزیت کے اسلوب بتائے جاتے ہیں۔ جہاں اکابرین کے

کارناموں کو اجاگر کیا جاتا ہے اور عبرت کے نشانات سے دوری سکھائی جاتی ہے یہ ایک صالح معاشرے کے قیام میں مدد دیتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے علمی فیوض

مخلوقات کی ہدایت کی غرض سے انبیاءؑ اور پیغمبروں کا ایک سلسلہ تخلیق کیا گیا جو ہم تک آنحضرتؐ اور آئمہ اہل بیتؑ کی صورت میں پہنچا۔ باوجودیکہ ختمی مرتبتؐ کے بعد کسی بھی امامؑ کو کام کرنے کا موقعہ نہ ماحول میسر ہو سکا۔ ہر امامؑ نے اپنے عہد میں فیوض امامت امت تک پہچانے کا مناسب انتظام کیا۔ کربلا کے مصائب کے بعد امام علی زین العابدینؑ نے ایک انوکھے انداز میں تبلیغ دین کی جو صحیفہ کاملہ کی صورت میں آثار علمیہ کا ایک شاہکار ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام وہ کوہ علم ہیں جس کی بلندیوں تک انسان کی نگاہیں پہنچنے سے قاصر ہیں۔ آپؑ کا شریعت کدہ علم و حکمت کا سرچشمہ تھا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی شخصیت کا اہم رخ یہ ہے کہ آپؑ نے اپنے علمی انقلاب سے معارف اسلام کے افق کو اتنی زیادہ وسعت دی کہ دیکھتے ہی دیکھتے ایک نسل بعد جب حضرت امام علی رضا علیہ السلام نیشاپور میں قدم رکھتے ہیں تو ہزار ہا افراد امامؑ کی آواز سننے اور ارشاد کو کاغذ پر محفوظ کرنے کیلئے سراپا مشتاق تھے۔

یوں تو سلسلہ امامت کے ہر فرد نے جس قدر ممکن ہو سکا ظلم و ستم اور قید و بند کی فضاؤں میں بھی فرائض امامت کو انجام دیا، لیکن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو اپنے عہد میں موقع مل گیا تھا کہ آنحضرتؐ کے مقصد یعنی (کتاب و حکمت کی تعلیم) کو فروغ دیں۔ اس دور میں علم کا پھیلاؤ اس حد تک ہوا کہ انسانی فکر کا جمود ختم ہو گیا اور فلسفی مسائل کھلی مجلسوں میں زیر بحث آنے لگے۔ اس ضمن میں جسٹس امیر علی لکھتے ہیں "یہ تحریک امام صادقؑ کی سرکردگی میں آگے بڑھی جن کی فکر وسیع، نظر عمیق اور جنہیں ہر علم کی دستگاہ حاصل تھی حقیقت تو یہ ہے کہ آپ اسلام کے تمام مکاتب فکر کے موسس اور بانی کی حیثیت رکھتے ہیں آپؑ کی مجلس بحث و درس میں صرف وہی افراد نہیں آتے تھے جو بعد میں امام مذہب بن گئے بلکہ تمام اطراف سے بڑے بڑے فلاسفر استفادہ کرنے حاضر ہوتے تھے"۔

دوسری صدی کی ابتداء یعنی ۱۳۲ھ میں اموی خلافتوں کے خاتمہ پر عباسی دور شروع ہوا۔ یہ عبوری دور انتقال و تحویل اقتدار کی کشمکش کا وقفہ تھا، جس کو استعمال کرتے ہوئے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے علوم و معارف اسلام کی ترویج و اشاعت کا اہم کام انجام دیا۔ یہ وہ دور تھا جب فتوحات اور بیرونی دنیا سے بڑھتے ہوئے روابط کے نتیجے میں رومی اور یونانی فکری اثرات عربستان میں مختلف فنون، علوم اور نظریاتی رجحانات کو متاثر کر رہے تھے جو اسلام کے خلاف ایک بیرونی یلغار ثابت ہو رہے (موجودہ عالمگیریت یا گلوبلائزیشن کی ایک صورت میں) یہ ایک ایسی سرد جنگ تھی جس کے زہریلے اثرات اور ہلاکت سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنا صرف تلوار کی دھار اور اسلحہ کی طاقت سے ممکن نہ تھا کیونکہ علم و فکر کا مقابلہ علم و دانش ہی سے کیا جا سکتا ہے۔

نسلی تعصب اور جہالت سے فکری اور علمی طوفان پر بند نہیں باندھ سکتے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام واقف تھے کہ ایسی صورت میں سب سے بہتر حکمت عملی امت مسلمہ کو حصول علم و دانش کی طرف راغب کرنا ہے۔ ان فیوض کے اجراء کیلئے مدینے میں آپؑ کا گھر اور مسجد نبویؐ ایک بڑے علمی تحقیقی مرکز کی شکل اختیار کر گئے اور اس حلقہ تعلیم، تدریس و تحقیق میں کم از کم چار ہزار طلباء مختلف شہروں اور ملکوں سے آکر زیر تعلیم تھے۔

شیخ طوسیؒ کے بموجب یہ تعداد ۳۱۹۷ مرد اور ۱۲ خواتین پر مشتمل تھی۔ حسن بن علی بن زیاد جو شاگرد حضرت امام علی رضا علیہ السلام تھے اور خود بھی اساتذہ حدیث میں شمار ہوتے تھے فرماتے تھے کہ "میں نے مسجد کوفہ میں نو سو استاد حدیث کو دیکھا ہے جو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے حدیث نقل کرتے تھے" صاحبان اصول یعنی وہ لوگ جو اصل کتاب جس میں راوی اور معصوم کے درمیان صرف ایک واسطہ ہوتا ہے امامؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر ارشادات قلم بند کرتے جاتے۔ اس طرح ایسی چار سو کتابیں تیار ہو گئیں جن کو "اصول اربعماۃ" (چار سو اصول) کہا جاتا ہے۔ محمد ابن یعقوب کلینیؒ نے چار سو کتابوں کی مدد سے "اصول کافی" مرتب کی جو فقہ جعفریہ کی بنیادی کتاب ہے۔ یہ امام جعفر صادقؑ کا فیض تھا کہ آج ہمارا حدیثوں کا سرمایہ اتنا مستند اور مستحکم ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے علمی فیوض کے ضمن میں یہ عرض ہے کہ علم تو آئمہؑ کی میراث ہے۔ جس شعبے سے بھی متعلق ہو سوال کرنے والے کو مطمئن کر دیا۔ انکے ذاتی تقدس اور دینی نظام میں انکے مقام کے حوالے سے امامؑ سے حصول

فیوض کو زیادہ تر دینی معاملات تک محدود رکھا گیا۔ یہ ہماری بصیرت کی کوتاہی ہے۔ ورنہ علوم طبعیہ اور کونیہ (کائناتی معلومات) علوم میں بھی ہم اپنے آئمہ کو انتہائی مقام پر فائز دیکھتے ہیں۔ نہج البلاغہ اور صحیفہ سجادیہ میں اس ضمن میں بے شمار اشارے موجود ہیں۔ خوش قسمتی سے حضرت امام جعفر صادقؑ کو درس و تدریس، بالمشافہ افہام و تفہیم، مناظروں اور مواعظ حسنہ کی صورت میں ایسا ماحول اور موقع میسر ہوا کہ علوم جدیدہ کے شعبہ میں بھی اپنے فیوض سے مستفید کر سکے بلکہ یہ کہنا برمحل ہوگا کہ اس سلسلہ میں بھی انہیں ایک امتیازی مقام حاصل ہے۔

مغز متفکر اسلام

مختلف علوم میں امام کی دسترس کا بنیادی راز یہ ہے کہ آئمہ اور معصومینؑ کا علم لدنی ہوتا ہے اور کائنات کی ہر چیز ان کے سامنے ایک کھلی کتاب کی طرح ہے۔ یہ الہامی علم ہے جس کی بنیاد روحانیت، تزکیہ نفس اور معارف الٰہیہ ہیں اس موقع پر ایک اہم کتاب کا حوالہ مقصود ہے جس کا ہمارے علمی حلقوں میں بے حد چرچا ہے۔ فرانس کے شہر اسٹراسبرگ کی یونیورسٹی کے مطالعاتی مرکز سے شائع ہونے والی کتاب کا فرانسیسی زبان سے ذبیح اللہ المنصوری نے "مغز متفکر جہان شیعہ" کے نام سے فارسی ترجمہ کیا تھا۔ ہمارے دانشور محمد موسیٰ رضوی نے اس کتاب کی اردو زبان میں تلخیص "حضرت امام جعفر صادقؑ کے بارے میں ۲۳ یورپی دانشوروں کی تحقیق" کے عنوان سے دو حصوں میں ادارہ تبلیغات اسلامی کے ذریعہ شائع کروائی۔ اردو دان طبقہ کیلئے ان کی یہ خدمت لائق تحسین ہے۔ بعد ازاں قیام پبلی کیشنز لاہور نے ۱۹۹۴ء میں اصل فارسی کتاب کا مکمل اردو ترجمہ شائع کیا جس کے مترجم سید کفایت حسین ہیں۔ اصل کتاب کی مناسبت سے اس کا نام "مغز متفکر اسلام" ہے لیکن اس کا عوامی نام "سپرمین ان اسلام" زیادہ زبان زد عام ہے۔

اس کتاب میں ایسے مطالب درج ہیں جو پہلی مرتبہ عام قاری تک پہنچے ہیں، یہ کتاب ایک علمی کاوش ہے جو ۲۵ دانشوروں کی تحقیق کا نتیجہ ہے۔ جس میں صرف دو مسلمان ہیں (حسین نصر، موسیٰ صدر) باقی یورپ اور امریکہ کی مختلف جامعات سے منسلک پروفیسر اور مستشرقین ہیں۔ اس کاوش کا پس منظر یہ ہے کہ سترہویں صدی عیسوی سے اسلامی مسائل یورپ کے دانشوروں کی توجہ کا مرکز بنے ہوئے تھے۔ اسٹراسبرگ یونیورسٹی کا تحقیقاتی مرکز جوادیان عالم پر ریسرچ کرتا ہے دوسری جنگ عظیم کے بعد اہل تشیع اور ان کے مذہب کی عظیم شخصیات کی علمی سطح، خدمات اور فیوضات کا جائزہ لیا اور اس جائزہ کے دوران مختلف کتب خانوں میں موجود شیعہ دانشوروں کی علمی تحقیقات اور دستاویزات کے مطالعہ کے نتیجہ میں ان دانشوروں کو امام جعفر صادق علیہ السلام کی آفاقی شخصیت کا پہلی مرتبہ اندازہ ہوا۔

یہ بھی ایک اتفاق ہے کہ ممتاز دانشور محمد ابوزہرا مصری کے مطابق "اختلاف فکر و نظر اور اختلاف حزب و طائفہ کے باوجود علماء اسلام کسی امر پر اس درجہ متفق نہیں ہوئے جتنے امام جعفر صادقؑ کے علم و فضل پر یعنی حق زیادہ دیر تک پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ یہاں یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ اس کتاب کے مندرجات کے انتخاب کی اساس امام صادقؑ کی روحانیت نہیں ہے اور نہ یہ توقع رکھنی چاہیے کی متذکرہ غیر مسلم دانشور امام کی ذاتی، مذہبی یا روحانی شخصیت کی طرف کوئی جھکاؤ رکھتے تھے۔ اس وجہ سے امر باعث طمانیت ہے جو نتائج اخذ کیے گئے اور جو انکشافات پیش کیے گئے بالکلیہ علم و فضل اور سائنسی علوم کی جانچ کے عالمی معیار پر پورے اترے یہی اس کتاب کی پذیرائی کا منفرد پہلو ہے۔ اس کتاب میں علوم جدیدہ سے متعلق انکشافات اور مندرجات پڑھ کر ایک فخر محسوس ہوتا ہے جب امامؑ ایک استاد کی طرح نہایت دقیق مسائل مثلاً ماحول کا تحفظ، دنیا کے حالات میں بدنظمی کے اسباب، کائنات کا متحرک ہونا، تخلیق کائنات، وائرس، جراثیم اور اینٹی باڈیز (ضد اجسام) اور مادہ کی دوامیت جیسے نظریات کے اسباب و علل اور توضیحات نہایت آسان پیرایہ میں سمجھاتے ہیں۔

تیرہ سو سال پہلے جب انسانی ذہن میں سائنس اور ٹیکنالوجی کا کوئی واضح تصور موجود نہ تھا اور نہ صحت کے ساتھ جانچنے والے آلات موجود تھے اس وقت امام جعفر صادق علیہ السلام نے حیات و کائنات کے حوالہ سے ایسے افکار و نظریات پیش کیے جو صدیوں بعد علمی اور سائنسی تجربات کی پیش رفت کے نتیجے میں حاصل ہونے والی معلومات سے حد درجہ مطابقت رکھتے ہیں۔

چند مثالیں

اس مقالہ میں ان امور پر تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں لیکن صرف سرسری طور پر چند نظریات کی طرف اشارہ مقصود ہے تا کہ تجسس کو مہمیز ملے۔

الف: عناصر اربع: امامؑ نے واضح کیا کہ عناصر اربع میں ہوا ایک مجرو عنصر نہیں اور نہ ہی پانی، بلکہ یہ مرکبات ہیں آج ہمارے پاس ۱۰۹ عناصر کی ایک طویل فہرست ہے۔

ب: زمین کی حرکت: امامؑ نے آیاتِ قرآنی کی روشنی میں ثابت کیا کہ سورج اپنی جگہ قائم ہے اور زمین سورج کے اطراف اپنے محور کے گرد گھومتی ہے جس سے دن رات اور موسم تبدیل ہوتے ہیں، یہ ایک انقلابی دریافت ہے۔

ج: ماحول کے تحفظ کے سلسلہ میں آپؑ نے فرمایا کہ آدمی کو زندگی اس طرح گزارنی چاہیے کہ اس کا ماحول آلودہ نہ ہو ورنہ بالآخر زندگی گزارنا مشکل بلکہ ناممکن ہوجائے گا۔ آج ماحولیات سب سے بڑا مسئلہ ہے۔

د: امامؑ کی نظر میں طوفان، سیلاب، زلزلہ کائنات کی بدنظمی نہیں ہے بلکہ ایک مستقل ناقابل تسخیر اور تغیر قواعد کی اطاعت کا نتیجہ ہے جس کے خلاف انسان کوئی تدارک نہیں کرسکتا۔

خلاصہ عرض ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے کلیات کی طرف اشارہ کردیا ہے اگر ان کی جزئیات پر موجود سائنس علوم اور وسائل کے ساتھ تحقیق کی جائے تو انسانیت کی بھلائی کے اسباب مہیا ہوسکتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگرد اور اصحاب

ایک درخت اپنے پھل سے، ایک آدمی اپنے ساتھیوں سے اور ایک استاد اپنے شاگردوں کی صلاحیتوں سے پہچانا جاتا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگرد و اصحابؓ کی ایک طویل فہرست ہے ان میں چند معروف نام آبان بن تغلب، ہشام ابن الحکم، مفضل بن عمر، حماد بن عیسٰی، زرارہ بن اعین، محمد بن علی المعروف مومن طاق اور آخر میں لیکن بہت قابل احترام جابر بن حیان ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پہلے تحصیل علم کیلئے لوگوں میں خاص رغبت نہیں پائی جاتی تھی اس عدم توجہی کا ایک سبب درس و تدریس کا طریقہ تھا، مسلمانوں میں حصول علم کا جذبہ اور شوق پیدا کرنے کیلئے امام جعفر صادقؑ نے باہمی ربط کا موثر طریقہ رائج کیا جس کو موجودہ زمانہ میں Intractive طریقہ کہتے ہیں اس میں شاگرد کو سوالات کرنے کی آزادی تھی امامؑ سے مختلف افراد کے مناظروں میں اس طریقہ کی جھلک نظر آتی ہے، امامؑ کی درسگاہ میں مختلف علوم یعنی فقہ، حدیث، اصول، علم کلام اور تفسیر کے علاوہ علوم طبیعی اور علم ابدان سے متعلق امور پر درس و تدریس اور بحث و مباحثے ہوتے تھے۔ امامؑ اپنے شاگردوں کو تاکید فرماتے تھے کہ جو کچھ سمجھو اور سنو لکھ لو کیونکہ جب تک لکھو گے نہیں اس وقت تک حفاظت نہ کرسکو گے۔ علم و حکومت کو زمانے کی دست برد سے محفوظ رکھنے کیلئے ضبط تحریر میں لانا ضروری ہے، انسان کا حافظہ کتنا ہی قوی کیوں نہ ہو تحریر کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کا منشاء یہ تھا کہ ذہن کی دی ہوئی دولت اور بصیرت کی نعمت کو الفاظ کے مکتوبی حصار میں محفوظ کرلینا چاہیے۔

امامؑ کے چند شاگردوں کا مختصر تذکرہ حسب ذیل ہے۔

الف: آبان بن تغلب ابو سعد الکوفی: انہوں نے ۳ آئمہؑ کا زمانہ دیکھا۔ یعنی امام زین العابدینؑ، سے امام صادقؑ، وہ قاری بھی تھے اور فقیہ بھی قرآن، حدیث، نحت اور تجوید میں دوسروں پر سبقت رکھتے تھے ان کے بارے میں اتنا کہنا کافی ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے ان سے فرمایا تھا کہ مسجد مدینہ میں بیٹھو اور لوگوں کو فتوے دو اس کے علاوہ سوائے صحیح بخاری کے دیگر تمام صحاح میں ان کے حوالہ سے روایتیں موجود ہیں یعنی یہ بین الفریقین قابل اعتماد ہیں۔ ان کی اہم کتاب (غریب القرآن) ہے جو اس موضوع پر پہلی کتاب ہے جس میں الفاظ قرآنی کے مفہوم پر اشعار عرب سے استدلال کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ "کتاب الفضائل" اور "کتاب القرات" آپ کی اہم تالیفات ہیں۔

ب: ہشام بن الحکم البغدادی الکندی: ان بزرگ ہستی کا تاریخ اور رجال کی کتب میں خاص تذکرہ کیا گیا ہے ان کی علمیت کے اندازہ کیلئے یہ کافی ہے کہ انہوں نے "الرد علی ارسطاطالیس" نامی کتاب میں ارسطو کے فلسفہ پر تنقید کی ہے۔ ان کی پوری زندگی مناظروں میں گزری جس میں جاثلیق نصرانی عالم سے مناظرہ، امامت حق کی اطاعت کا وجوب اور ابو حنیفہ سے مناظرے شامل ہیں۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے رسائی کے بعد انہوں نے اپنے آبائی مذہب کو تبدیل کردیا اور مکمل طور پر اپنے آپ کو خدمت امامؑ کیلئے وقف کردیا اور آخری وقت تک پاسداران ولایت ہی رہے۔ ان کی تصانیف بصورت مناظرے کے حوالے موجود ہیں۔ ہشام کے متعلق امام جعفر صادقؑ کا قول ہے "ہشام ہمارے حق کا سراغ رساں ہے ہماری صداقت کا موئد ہمارے اعدا کی باطل قوتوں کا دفع کرنے والا ہے"۔ امام محمد تقی علیہ السلام نے ہشام کے متعلق کہا "اللہ ان پر

رحمت کرے وہ کسی طرف سے ہم پر حرف نہیں آنے دیتے تھے"۔

ج: جابر بن حیان: امام جعفر صادق علیہ السلام کی شخصیت اور علمی فیوض کے سلسلے میں جابر بن حیان طوسی کے ذکر کو خصوصیت حاصل ہے، جابر ۱۰۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰۲ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ حجاج بن یوسف کے ہاتھوں اپنے والد کی شہادت کے بعد مدینہ آ گئے اور امامؑ کی خدمت میں پہنچے۔ جابر نے امامؑ سے کسب فیض کے بعد علم کیمیا میں اہم انکشافات اور نظریات پیش کئے جس کی بناء پر ان کو "بابائے کیمیا" کے لقب سے یاد کرتے ہیں جابر نہ صرف علم کیمیا کے ماہر تھے بلکہ حیاتیات اور نباتات، علم حجر (جیالوجی) اور نفسیات پر بھی ان کے متعدد کتابیں اور رسالے موجود ہیں۔

جابر کی سائنس کی بنیاد وکلام الٰہی پر ہے۔ جابر نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی کہ (پارہ چاندی) ہے جو آگے چل کر تمام عناصر میں یگانگت اور صرف ایٹمی نمبر کے فرق کے نظریے کی توثیق کرتا ہے۔ جابر کلام معصوم کے حوالہ سے ایک سائنسدان کی صفت کا پروفائل یوں بتاتے ہیں" کہ علوم عقلیہ پر تحقیق کرنے والے کیلئے ضروری ہے کہ وہ صالح ہو اور کلام مجید اور کلام معصومینؑ سے آگاہی رکھتا ہو۔ ایسے شخص کو فاضل ہونا چاہیے اور بصیرت والی آنکھیں ہونی چاہیے اسے آلات کے استعمال کا علم ہونا چاہیے۔

آخر میں عرض یہ ہے کہ مغرب کے علمی سفر کا آغاز سولہویں صدی سے ہوتا ہے جبکہ لوگ نوجوانوں کو مشورہ دیتے تھے کہ تہذیب یا علم کیلئے عربی سیکھو جس کی بنیاد وہ معلومات یا نکات ہیں جن کو امام جعفر صادق علیہ السلام کے فیض اور سرپرستی میں حاصل کر کے جابر جیسے شاگردوں نے سائنس کو مالا مال کر دیا، جابر کے ۵۰۰ رسائل اور کتابوں کا جرمن زبان میں ترجمہ کیا گیا کچھ کتابیں فرانسیسی تراجم کے ساتھ ایران، مصر، ترکی، جرمنی اور فرانس کے کتب خانوں کی زینت ہیں۔ اب انٹرنیٹ اور ویب کی سہولتوں کے ذریعے امامؑ کے فیوض دنیا کے ہر کونے میں علم کے پیاسوں کی دسترس میں ہیں۔

فقہ جعفری میں گروہی تقسیم

مقالہ کے اختتامی مرحلہ پر فقہ جعفری میں گروہی تقسیم کے اسباب و عمل کا جائزہ ضروری ہے، بڑے فرقوں میں مرورِ زمانہ کے ساتھ تفریق و تقسیم تعجب کی بات نہیں

شیعیت میں گروہی تقسیم کے واقعات عہد امام جعفر صادق علیہ السلام سے پہلے بھی رونما ہوئے تھے لیکن امام جعفر صادقؑ کی شہادت کے بعد یہ مسئلہ شدت اختیار کر گیا جس کے نتیجے میں شیعہ بالآخر اسماعیلی، بوہری اور اثنا عشری مسلکوں میں تقسیم ہو گئے۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ منصب امامت "بذریعہ نص" کے بارے میں جو وحدت فکر تھی اس میں بتدریج تبدیلی ظہور پذیر ہوئی اور منصب امامت بطور ایک کسبی رتبہ کے نظریہ کا فروغ ہوا۔ اس رجحان سے متوازی قیادت کا تصور ابھرا جو امامت از روئے نص کے اصول سے متصادم تھا۔

شیعیت میں تفریق کا ایک اور ممکنہ سبب بھی قابل غور ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے شیعیت کو ایسے نقطۂ عروج پر پہنچا دیا تھا کہ ہر کوئی طالع آزما اس کو اپنے مفاد میں اپنانا چاہتا تھا لیکن مجبوری یہ تھی کہ ان میں کوئی بھی اس پایہ کا عالم یا محدث نہیں تھا کہ فقہ جعفری سے بہتر تصور پیش کر سکے۔ بالآخر انسانی ذہن کی تخریبی صلاحیتوں کے ذریعے ایک عظیم الشان مسلک میں شکست و ریخت کے سامان پیدا کئے گئے۔ اس منصوبہ کو انجام دینے کیلئے حضرت امام جعفر صادقؑ کے سب سے بڑے بیٹے اسماعیلؑ کی وفات کو نزاعی مسئلہ بنا دیا جبکہ اسماعیلؑ امام کی زندگی میں ۲۶ سال کی عمر میں ۱۳۲ھ میں وفات پا چکے تھے۔

اس ضمن میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسماعیلؑ کو منصور دوانیقی کے ظلم سے بچانے کیلئے ان کی وفات کا شہرہ کیا گیا لیکن اس ضمن میں تاریخ خاموش ہے۔ کسی کمزور یا بے بنیاد نص کی بناء پر امام جعفر صادقؑ کی شہادت کے بعد ایک گروہ نے امامت کو اسماعیلؑ کے ذریعہ ان کے بیٹے محمدؒ تک پہنچا دیا اور انہیں اپنا ساتواں امام مان لیا اور سبعیہ کہلائے۔ یہ ۱۳۳ھ میں محمد ابن اسماعیل کی وفات کے بعد امامت ختم سمجھتے ہیں اور ہدایت کیلئے ایک حاضر امام کا وجود ضروری سمجھتے ہیں۔ اپنے اس عقیدے کی ترویج کیلئے انہوں نے افریقہ کو مناسب سمجھا کیونکہ یہ عباسیوں کی دسترس سے دور تھا۔ مزید یہ کہ افریقہ میں امام جعفر صادقؑ نے ۱۴۵ھ میں عقائد اہل بیتؑ کی تعلیم کیلئے دو داعی بھیجے۔

مصری فاطمین کے دور میں اسماعیلی عقیدے کو رواج ملا۔ ان کے ایک نامور امام نزار (عزیز باللہ) کے انتقال پر ۴۴۳ھ/۱۱۹۵ء میں نیابت کے مسئلہ پر ان میں دو شاخیں ہو گئیں۔

(باقی ص نمبر 58 کالم نمبر 2 پر)☆

حضرت سیدہ فاطمہ معصوم قم سلام اللہ علیہا کی زیارت کی فضیلت

ترتیب وپیشکش...... حسین بانو استوری

دینی اورمذہبی شخصیات کی قبور کی زیارت تمام اقوام اورادیان میں ایک ایسی رائج رسم ہے جوآج تک چلی آرہی ہے۔صدر اسلام میں بھی مسلمان افراد اسی سیرت پر عمل کرتے تھے اور نبی کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میدان اُحد میں اپنے چچا سیّد الشہداء جناب حمزہ علیہ السلام کی قبراور مقام ابواء میں مادر گرامی حضرت آمنہؑ کی قبر کی زیارت بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اولیاءالٰہی کی قبور کی زیات کے بارے میں توصیہ کرتے ہوئے فرمایا"زوروا القبور فانها تذكر الموت "یعنی قبور کی زیارت کرو،یہ زیارت باعث بنتی ہے کہ انسان موت کو ہمیشہ یادر کھے۔

امام ہفتم حضرت موسیٰ بن جعفر علیہا السلام کی دختر نیک اختر بھی انہیں شخصیات میں سے ایک عظیم فرد ہے کہ جن کی قبر مطہر کی زیارت پر تاکید مزید ہوئی ہے۔اور یہ اس وجہ سے ہے کہ کریمہ اہل بیت علیہا السلام کی قبر مطہر کی زیارت وہ کرن ہے جو گناہوں کی فضاء کو چیرتی ہوئی ہماری زندگی کے تنگ وتاریک آنگن میں روشنی کی امید پھیلادیتی ہے،اوراس دلباختہ زائر کو ناامیدی کے بھنور میں غرق ہونے سے بچاتے ہوئے نجات کیلئے مزید سعی وکوشش پرواردکرتی ہے انکے باصفاوپاک مزار کی زیارت سبب بنتی ہے کہ انسان اپنے غرور وتکبر کی اس نافرمان سواری سے اتر کراس پردہ نشین خاتون کا واسطہ دیکر بارگاہ الٰہی میں اپنی بخشش کا بندوبست کرے۔

اس خاتون دوجہان کے حرم کی زیارت کا ثواب وفیضان اس قدر ہے کہ علامہ طباطبائی جیسےنامورومشہور فیلسوف وعارف شخص ماہ مبارک رمضان میں افطاری سے پہلے آپؑ کے ملکوتی حرم میں مشرف ہوکر درودیوار اور ضریح مقدس کو چوم کر افطار کیا کرتے تھے۔

اسی طرح حکیم عارف ملا صدرای شیرازی کو جو"کہک"نامی دیہات میں زندگی بسر کرتے تھے جب بھی کوئی علمی اور فلسفی مشکل پیش آتی توگرہ کشائی کیلئے آنحضرتؑ کی قبر مطہر کا قصد کرتے تھے اور چار فرسخ کا فاصلہ طے کرکے حضرت فاطمہؑ بنت موسیٰ بن جعفر علیہا السلام کی روح بلند سے استمداد کرکے بارگاہ الٰہی سے اپنی مشکل کا حل لیکر واپس جاتے تھے۔

ثواب زیارت کا اندازہ

حضرت فاطمہ معصومہ سلام اللہ علیہا کے مرقد مطہر کی زیارت کے ثواب کے بارے میں بہت ساری روایات ملتی ہیں اورہم یہاں ان میں سے چند احادیث کے ذکر پر اکتفاء کرتے ہیں۔

۱۔"ان جماعةً من اهلِ الرّی دخلوا علی ابی عبدالله الصادق علیه السلام وقالوا نحن اهل الرّی،فقال علیه السلام : مرحباً باخوانانا من اهل قم،فقالوا : نحن من اهل الرّی فاعاد علیه السلام الکلام،قالوا ذلک مراراً واجابهم بمثل ما اجاب به اولاً، فقال علیه السلام : ان لله حرماً وهو مكة وان للرسول حرماًوهو المدینة،وان لامیر المؤمنین حرمًا وهو الكوفة،وان لنا حرماً وهوبلدة قم،وستدفن فیها امرأةمن اولادی تسمی فاطمة،فمن زارها وجبت له الجنة"

ساکنین "شہرری"کی ایک جماعت نے حضرت امام صادق علیہ السلام کی

خدمت میں شرفیاب ہو کر عرض کی ہم "شہر ری" سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں لیکن امام علیہ السلام نے فرمایا: اللہ بھلا کرے ہمارے "شہر قم" سے آئے ہوئے دوستوں کا، تو انہوں نے دوبارہ عرض کی: ہمارا تعلق شہر ری سے ہے۔ امام علیہ السلام نے بھی کئی مرتبہ اپنا کلام تکرار کرنے کے بعد فرمایا: خداوند عالم کا حرم شہر مکہ ہے، رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حرم شہر مدینہ ہے، امیرالمومنین علیہ السلام کا حرم شہر کوفہ ہے اور ہمارا حرم شہر قم ہے، عنقریب میرے فرزندوں میں سے فاطمہ نام کی ایک بیٹی اس سرزمین میں دفن ہوگی جو شخص اس شہر میں اس کی زیارت کرے گا بہشت اس کیلئے واجب ہو جائے گی۔

معلوم ہوتا ہے کہ ری کے قم المقدسہ سے قریب ہونے کی وجہ سے اہل ری کو قم کے علاقے سے منسوب فرمایا ہے چونکہ قم مقدسہ حرم اہل بیت قرار پانے کی وجہ سے مرکزیت رکھتا ہے۔

۲۔ شیخ صدوقؒ نے علی بن ابراہیم سے انہوں نے سعد بن سعد سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا "سئلت ابا الحسن الرضا، عن زیارة فاطمة بنت موسی بن جعفر علیهما السلام، فقال: من زارها فله الجنة"

میں نے امام رضا علیہ السلام سے حضرت فاطمہؑ بنت موسیٰ بن جعفر علیہم السلام کی زیارت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: جو شخص ان کی زیارت کرے گا بہشت اس کی جزا ہوگی۔

۳۔ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے اپنی خواہر گرامی حضرت فاطمہ معصومہ علیہا السلام کی زیارت کی میزان ثواب کے بارے میں اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "من زار المعصومة بقم کمن زارنی"

جو شخص قم کی سرزمین میں فاطمہ معصومہ سلام اللہ علیہا کی زیارت کرے تو اس نے گویا میری زیارت کی ہے۔

۴۔ مرحوم شیخ صدوقؒ نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ امام جواد علیہ السلام نے بھی اپنی پھوپھی فاطمہ معصومہ علیہا السلام کی زیارت کے بارے میں یوں فرمایا ہے "من زار قبر عمتی بقم فله الجنة"

حضرت معصومہ علیہا السلام کی زیارت کے جملات ماثور و منقول ہیں۔

اولاد آئمہؑ میں حضرت فاطمہ معصومہ علیہا السلام کا شمار ان معدود و محدود افراد میں ہوتا ہے کہ جن کے زیارت نامے معصوم علیہ السلام سے ماثور اور منقول ہیں۔

سعد قمی سے ایک روایت میں نقل ہے: ایک مرتبہ شاہ خراسان کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف ملا۔ آنحضرتؑ نے مجھ سے پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے شہر میں ہماری ایک قبر ہے؟ میں نے عرض کی: میں آپ پر قربان کیا آپ کا مقصود فاطمہ بنت موسیٰ بن جعفر علیہا السلام کی قبر ہے؟ تو فرمایا: ہاں ایسا ہے پھر فرمایا "من زارها عارفا بحقها فله الجنة" جو شخص معرفت کے ساتھ ان کی زیارت کرے تو وہ جنت کا حقدار ہوگا۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے اس نورانی حدیث میں نہ صرف اپنی خواہر گرامی کی زیارت کا ثواب بیان کیا ہے بلکہ آداب زیارت کو بھی بیان فرمایا ہے آپ مزید فرماتے ہیں

"فاذا اتیت القبر عند راسها مستقبل القبلة کبر اربعاً وثلاثین تکبیرةً، وسبح ثلاثاً وثلاثین تسبیحةً، واحمدالله ثلاثاً وثلاثین تحمیدةً، ثم قل: السلام علی .... الی آخر الزیارة"

جب قبر مبارک کے پاس پہنچو تو سر مبارک کی جانب قبلہ رخ ہو کر ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ اور ۳۳ مرتبہ الحمد للہ کہو، پھر یوں زیارت پڑھنا شروع کرو:

"السلام علی آدم صفوة الله، السلام علی نوح نبی الله، السلام علی ابراهیم خلیل الله، السلام علی موسیٰ کلیم الله، السلام علی عیسیٰ روح الله، السلام علیک یا رسول الله، السلام علیک یا خیر خلق الله، السلام علیک یا صفی الله، السلام علیک یا محمد بن عبدالله خاتم النبیین، السلام علیکِ یا بنت رسول الله، السلام علیکِ یا بنت فاطمةَ وخدیجةَ، السلام علیکِ یا بنت امیرِ المؤمنین، السلام علیکِ یا بنت الحسنِ والحسینِ، السلام علیکِ یا بنت ولی الله، السلام علیکِ یا اخت ولی الله، السلام علیکِ یا عمةَ ولی الله، السلام علیکِ یا بنت موسیٰ بن جعفر ورحمة الله وبرکاته ...... یا فاطمةُ اشفعی لی فی الجنةِ، فان لکِ عندالله شاناً من الشان ......"

آنحضرتؑ کے زیارت نامے پر ایک نظر

یہ زیارت نامہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے اور انہوں نے اپنی خواہر گرامی حضرت فاطمہ معصومہ علیہا السلام کیلئے پڑھ کر ہدیہ فرمایا ہے اور یہ مطلب حضرتؑ کی عظمت پر واضح دلیل ہے کہ اپنی مادر گرامی حضرت سیدہ زہراء علیہا السلام کے بعد آپ واحد خاتون ہیں کہ جن کا زیارت نامہ معصوم علیہ السلام سے ماثور و منقول ہے۔

یہ زیارت نامہ دوسرے زیارت ناموں کی نسبت قابل توجہ امتیازی نکات کا حامل ہے کہ ان نکات کا تذکرہ یہاں مناسب ہوگا۔

۱) اس زیارت نامے کا آغاز انبیاءؑ بزرگ جیسے حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ بن مریمؑ اور چہاردہ معصومین علیہم السلام پر سلام بھیجنے کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور یہ سارا سلام انتہائی مؤدبانہ اور خضوع و خشوع کے ساتھ ہے جو کہ یہ اہل بیتؑ حضرت فاطمہ معصومہ سلام اللہ علیہا کو سلام پیش کرنے کیلئے بہترین مقدمہ ہے اور حقیقت میں ان پر سلام بھیجنے کا پیش خیمہ محسوب ہوتا ہے۔

۲) دوسرے انبیاءؑ کے برخلاف جہاں ایک ہی سلام پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ پیامبر اکرمؐ پر چار طریقوں سے سلام کیا گیا ہے ہر ایک سلام میں انکی صفات جیسے "رسول اللہ۔ خیر خلق اللہ۔ صفی اللہ و خاتم النبیین" میں سے ایک صفت کی طرف اشارہ ہوا ہے جو دوسرے انبیاءؑ کی نسبت ان کی رفعت و بلندی کی بین دلیل ہے۔

۳) ایک اور نکتہ جو بہت ہی قابل توجہ اور اہمیت کا حامل ہے وہ یہ ہے کہ دوسرے زیارت ناموں کے برخلاف کہ جہاں دوسری ہستیوں پر سلام غائب کے جملوں کے ساتھ ہے اور صرف اسی شخصیت کی زیارت مخاطب کی شکل میں مذکور ہے لیکن حضرت سیدہ معصومہ علیہا السلام کے زیارت نامے میں پیامبر اکرمؐ سے لے کر امام عسکری علیہم السلام تک ہر سلام خطابی شکل میں آیا ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ کریمہ اہل بیتؑ کا حرم تمام چہاردہ معصومین علیہم السلام سے متعلق ہے گویا کہ سیدہ معصومہ علیہا السلام کا حرم پیامبر اسلامؐ، امیر المومنینؑ، سیدہ فاطمہ زہراؑ اور دوسرے معصومین علیہم السلام کیلئے بھی حرم کی حیثیت رکھتا ہے اور گویا کہ یہ ہستیاں حرم معصومہ میں موجود ہیں۔ اس بناء پر جس کو فاطمہؑ بنت موسیٰ بن جعفر علیہا السلام کے حرم مطہر کی زیارت نصیب ہوا ہے کہ وہ چہاردہ معصومین علیہم السلام کی زیارت سے شرفیاب ہوا ہے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان اس واقعیت کی دلیل ہے کہ خدا کا حرم مکہ میں واقع ہے، رسولؐ خدا کا حرم مدینہ میں امیر المومنینؑ کا حرم کوفہ میں اور ہمارا حرم قم میں واقع ہے۔

۴) ان قابل توجہ نکات میں سے ایک نکتہ یہ ہے کہ ان کے زیارت نامے میں حضرت حجت خدا عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے علاوہ دوسرے معصومین علیہم السلام کی خدمت میں سلام پیش کرتے ہوئے صورت خطاب کا استعمال کیا گیا ہے لیکن خود حضرت حجتؑ کیلئے غائب کی صورت میں سلام پیش کیا گیا ہے، اس اسلوب اور روش کی تبدیلی میں ضرور ایک راز موجود ہے شاید یہ حضرتؑ کی غیبت کی طرف اشارہ ہو یعنی آپؑ اگرچہ حی اور زندہ ہیں لیکن ہماری نظروں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔

۵) حضرت امام علی رضا علیہ السلام اس زیارت نامے میں پیامبر اکرمؐ اور دوسری معصومؑ ہستیوں کا احترام ادا کرنے کے بعد اپنی بہن کی خدمت میں سلام پیش کرتے ہیں اور سلام میں مزید یہ کہ ان کو بنت موسیٰ بن جعفر علیہما السلام معرفی کرکے دنیا کو یہ بھی بتایا کہ سیدہ معصومہ علیہا السلام رسولخداؐ، خدیجۃ الکبریٰؑ، فاطمۃ الزہراؑ، علی المرتضیٰؑ، حسن مجتبیٰؑ، حسینؑ شہید کربلا علیہم السلام کی بھی بیٹی ہیں یہ اس وجہ سے ہے کہ سیدہؑ فاطمہ معصومہ نے قانون توارث کے مطابق ان شخصیات سے تمام نیک صفات وارثت میں حاصل کیا ہے اور اچھے کردار کے ساتھ اپنے آباؤ اجداد کی پاکی و تقدس کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔

۶) آخری نکتہ جس کا تذکرہ یہاں مناسب ہے وہ یہ ہے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے اس زیارت نامے کے مختلف جملوں میں اپنی خواہر گرامی کی معرفی و پہچان "بنت ولی اللہ"، "اخت ولی اللہ"، "عمۃ ولی اللہ" سے کی ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ عناوین ایک اتفاق نہیں ہے بلکہ اس میں رموز و راز ہیں اور وہ یہ کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ وہی بیٹی ہے کہ جس کی امام ہفتم علیہ السلام کو آرزو تھی، وہ بیٹی ہے کہ جس کے وجود مبارک پر خود حضرت موسیٰ بن جعفر علیہما السلام نے افتخار کرتے ہوئے فرمایا تھا "فداھا ابوھا" اور یہ وہی خواہر گرامی ہے کہ جس نے اپنے برادر گرامی حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے حق میں ایک حقیقی خواہر کی تمام تر کوششوں کو بروئے کار لایا کہ خود حضرت امام علی رضا علیہ السلام بھی اپنی اس مثالی بہن سے اتنے راضی تھے یہاں تک کہ خود حضرت امام علی رضا علیہ السلام، معصومہ سلام اللہ علیہا کے دامن عطف سے متوسل ہو کر ان سے طلب شفاعت کرتے ہوئے فرماتے ہیں "یا فاطمۃ اشفعی لی فی الجنۃ" اے فاطمہؑ! قیامت کے دن میری شفاعت کرنا اور حقیقت میں اس تعبیر کے بیان کے ساتھ امامؑ ہمیں درس دے رہے ہیں کہ یہ معصومہ ہستی اس درجہ پر فائز ہیں کہ تمام اہل ایمان ان سے شفاعت طلب کریں۔

"عمۃ ولی اللہ" سے خطاب کرنے کا رمز و راز یہ ہے کہ بی بی معصومہ علیہا السلام نے اتنا عظیم کردار ادا کیا کہ امام جواد علیہ السلام کو افتخار ہے کہ فاطمہؑ معصومہ ایسی عظیم پھوپھی خدا نے ان کو عنایت فرمائی اور یہ پاک بی بی اپنے بھتیجے کے نزدیک اتنا عظیم مقام رکھتی تھی کہ ان کی قبر مطہر کی زیارت کی میزان ثواب کے بارے میں انہوں نے فرمایا "جو شخص قم میں میری پھوپھی کی زیارت کرے تو وہ کل بروز حشر بہشت کا حقدار ہوگا"۔ خداوند کریم ہم سب کو معصومہ قم سلام اللہ علیہا کی با معرفت زیارت نصیب فرمائے (آمین) ☆

قرآن اللہ کی طرف سے اپنے بندوں کیلئے ایک عہد و میثاق ہے مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے عہد نامہ پر غور کرے اور روزانہ پچاس آیات کی تلاوت کرے ۔۔۔ حضرت امام جعفر صادقؑ (تفسیر المیزان ج ۳ ص ۳۹)

ماہ جولائی 2017 شوال/ذیقعد 1438 ہجری ہاڑ/ساون 2074 بکری

ایام کے نام	شوال/ ذیقعد	جولائی 2017ء	ہاڑ/ساون 2074 بکری	نیک/نحس/میانہ	اسلامی معلومات و یادداشت
ہفتہ	6	1	17	نحس اکبر	
اتوار	7	قمر در عقرب	18	نیک	
پیر	8		19	نحس اکبر	سانحہ انہدام جنت البقیع ۱۳۴۴ ہجری
منگل	9		20	نیک	
بدھ	10		21	نیک	آغاز غیبت کبریٰ حضرت حجت آل محمد (عج) جنگ حنین ۸ ہجری
جمعرات	11	6	22	نیک	شہادت محمد حسین شاد ۱۹۸۰ء
جمعہ	12	7	23	نحس	انتقال علامہ سید اعجاز حسین کاظمی رضوان اللہ ۲۰۱۰ء
ہفتہ	13	8	24	نحس اکبر	
اتوار	14	9	25	نحس	
پیر	15	10	26	نحس اکبر	شہادت حضرت حمزہ علیہ السلام ۳ھ۔ شہادت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ۱۴۸ھ
منگل	16	11	27	نحس	
بدھ	17	12	28	میانہ	
جمعرات	18	13	29	نیک	
جمعہ	19	14	30	نیک	
ہفتہ	20	15	31	نیک	وفات سرور کربلائی ۲۰۰۲ء۔ انتقال مولانا نذر حسین ظفر سرگودہا ۲۰۰۱ء
اتوار	21	16	ساون	میانہ	
پیر	22	17	2	نحس	
منگل	23	18	3	نیک	انتقال مخدوم سید حیدر علی جلالی کاٹھ گڑھ سادات ڈی آئی خان ۲۰۰۷ء
بدھ	24	19	4	نحس	
جمعرات	25	20	5	نحس	
جمعہ	26	21	6	نیک	
ہفتہ	27	22	7	نیک	
اتوار	28	23	8	نیک	
پیر	29	24	9	نیک	ولادت با سعادت حضرت ابوطالب علیہ السلام
منگل	ذیقعد	25	10	نیک	میلاد مسعود حضرت سیدہ فاطمہ المعروف معصومہ قم بنت امام موسیٰ کاظم
بدھ	2	26	11	نیک	
جمعرات	3	27	12	نحس	
جمعہ	4	28	13	نیک	سفر کے لئے بد
ہفتہ	5	29	14	نحس	
اتوار	6	30	15	نحس اکبر	
پیر	7	31	16	نیک	انتقال علامہ سید طالب حسین نقوی ۲۰۰۴ء

اللہ کی قسم! اگر لوگ حق کو حق والوں کے پاس رہنے دیتے اور اپنے نبی کی عترت کا اتباع کرتے تو اللہ کے بارے میں کوئی بھی اختلاف نہ کرتا ۔۔۔ حضرت سیدہ زہراؑ (بحار ج ۴۳ ص ۱۵۲)